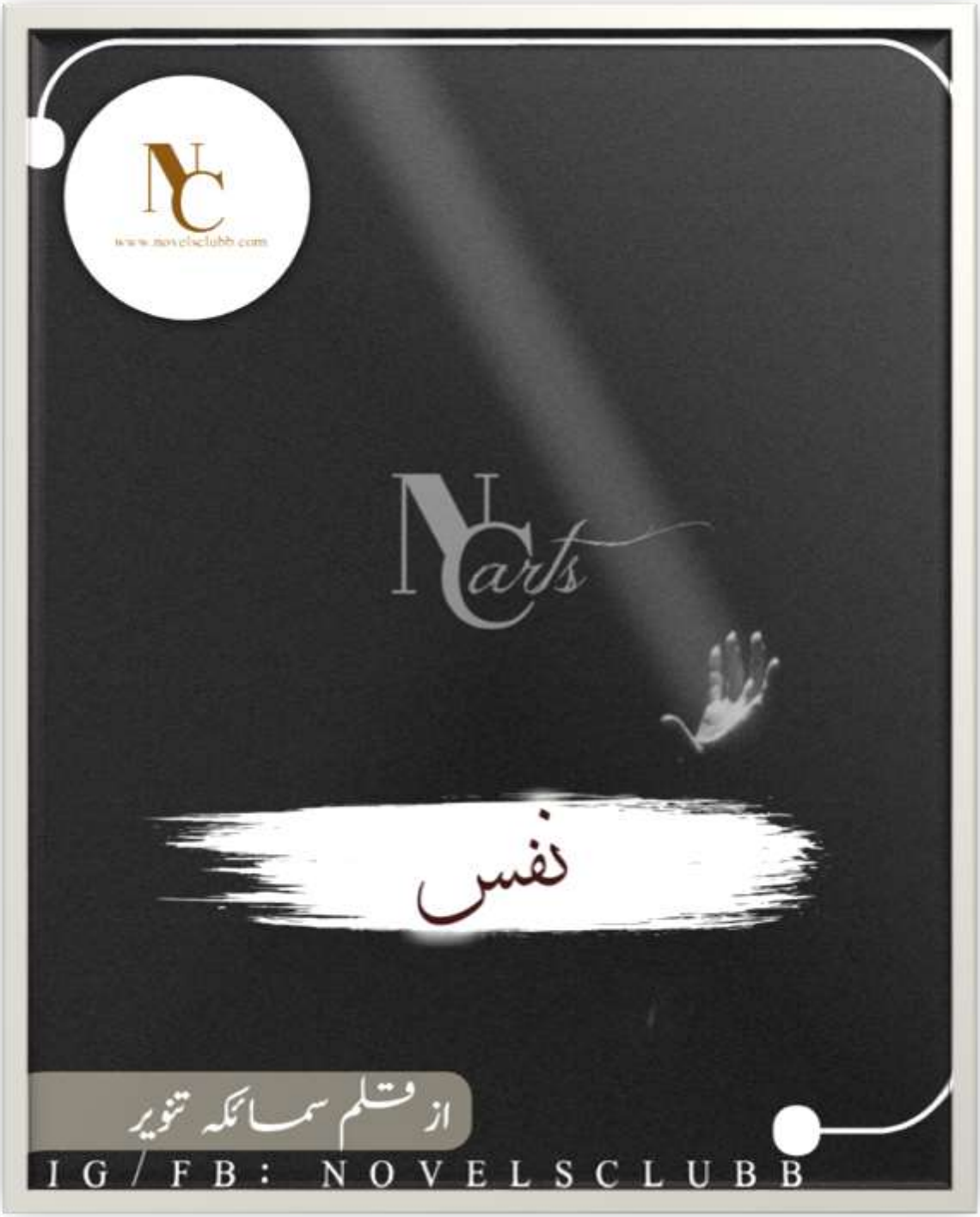
www.novelsclubb.com
NC arts
نفس
از قلم سمائکہ تنویر
IG / FB: NOVELSCLUBB

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری، ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

نفس

از قلم

سمائکہ تنویر

www.novelsclubb.com

ناول: نفس

مصنفہ: سمائکہ تنویر

قسط نمبر 3:

گزرے وقت کے آغوش میں آؤ بیٹھو کچھ پل

تمہیں کچھ سنانا ہے،

زندگی کے اس سفر میں جو کھویا

www.novelsclubb.com

اس کا درد بتانا ہے

آج ایک تکلیف سی اٹھی ہے گوشہ دل میں

اس کرب کا پیغام سمجھانا ہے

ایک مدت ہوئی اب سکونِ قلب کی تلاش کو

نجانے کس زیست کا ٹھکانا ہے

وقت کی اس ڈور نے کچھ چھین لیا ہے میرا

کھو دینے کے اس کھیل میں، اپنا آپ گنوانا ہے

کبھی دیکھا تم نے اس دورِ جہاں کو مٹتے ہوئے؟

مجھے اسے اپنے حافظے سے مٹانا ہے

تھیں کچھ ایسی ہی چاہتیں اس دلِ ناداں کی

ایک تلخ حقیقت سے انہیں بھی ہارا ہے

www.novelsclubb.com

اس کے در سے دربدر ہونے کا غم لئے

اب زندگی کی قید سے موت کا ہی سہارا ہے

کیا وقت کے ٹھہرنے کی چاہ غلط ہو سکتی ہے؟اس کے دل نے سوال کیا جب نظریں اپنے ساتھ چلتے اس شخص پہ پڑیں۔ برف سے ڈھکے فٹ پاتھ پہ وہ دونوں گامزن تھے۔ جہاں ایک طرف گاڑیوں کا شور تھا جبکہ دوسری طرف مختلف قسم کی دکانوں سے آتی روشنی رات کے اندھیرے میں اجالے کا کام کر رہی تھی۔ برف پہ چلتے ہوئے وہ اپنے پیچھے قدموں کی چھاپ چھوڑتی جا رہی تھی۔

"تمہیں برف پسند ہے؟" وہ سر جھکائے خاموشی سے چل رہی تھی جب اُس کے سوال پہ رفتار ہلکی سی سست کر دی۔

"نہیں۔۔۔" جواب غیر متوقع تھا۔ ساتھ چلتا شخص ٹھہر سا گیا۔ گردن اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگا جو ہنوز نظریں جھکائے اس کے قدم سے قدم ملانے کی کوشش میں لگی تھی۔

"کیوں؟" آواز میں تجسس تھا۔

"کیا آپ اس برف کو زیادہ دیر ہاتھوں میں لے سکتے ہیں؟" لڑکی نے الٹا سوال کیا اور ساتھ ہی ہاتھ سے برف کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

"ہاں کیوں نہیں۔" لڑکے نے دائیں ہاتھ سے گلوا تارا اور جھک کر برف کا ایک گولا سا ہاتھ میں پکڑ لیا۔

"چلیں پھر دیکھتے ہیں یہ برف کتنی دیر آپ کے ہاتھوں کی زینت بنی رہتی ہے۔" لہجہ سادہ سا تھا۔ لڑکے نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور ہاتھ میں برف پکڑے چلنے لگا۔ ابھی وہ تھوڑا سا ہی آگے گئے تھے کہ اس کا ہاتھ سن پڑ گیا۔ برف اتنی ٹھنڈی تھی کہ سن ہونے کے ساتھ ساتھ اسے کچھ حد تک جلن بھی ہو رہی تھی۔ اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا۔ دھیرے دھیرے تکلیف بڑھتی گئی۔ جب اور برداشت نہ ہوا تو ایک جھٹکے سے اس نے برف پھینک دی۔ ساتھ چلتی لڑکی ہلکا سا مسکرائی۔

"کیا ہوا؟" اس کی آواز میں طنزیہ فکر تھی۔

"میرا ہاتھ۔۔۔"اُس نے اپنی ہتھیلی سامنے کی جو لال ہو چکی تھی۔"میرا ہاتھ سن ہو گیا ہے۔"

"اب پتہ چلا مجھے برف کیوں نہیں پسند؟"اس نے اسی کے سوال کا جواب پوچھنا چاہا۔لڑکا خاموش ہو گیا۔لڑکی نے اپنے بائیں ہاتھ سے گلوا تار دیا۔

"جو چیزیں تکلیف کا باعث بنتی ہیں پھر چاہے وہ کتنی ہی بھلی کیوں نہ معلوم ہوں ۔۔۔ایسی چیزوں سے مجھے محبت نہیں ہوا کرتی۔"وہ اب اس کا سن ہوتا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں لے چکی تھی۔اپنے ہاتھوں کی گرمائش سے اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش میں۔لڑکا اس کی یہ حرکت دیکھ کر ہنس دیا۔

اف۔۔۔اس کی یہ ہنسی۔۔۔دل میں اترنے والی تھی۔

☆☆☆

مرزاانٹرنیشنل ٹریڈ نگزاپنی پوری شان سے کھڑی تھی۔سیاہ رنگ کے شیشوں والا یہ خوبصورت سا محل جو دور سے ہی دیکھنے والے کو اپنے حصار میں لے لیتا تھا۔ تین عمارتوں پہ بنی وہ بڑی سی بلڈنگ جسے آج لوگ حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔توقیر مرزاکااس وقت مذاق اڑایاجاتاتھا۔جب توقیر مرزانے اپنے اباؤاجداد کے زمینوں کاکام چھوڑکر یہ ٹریڈنگ کمپنی بنائی تھی جس پہ ان کے اپنے باپ نے ان کاساتھ نہ دیاتھا۔اُن کے نزدیک توقیر مرزابے وقوفی کررہے ہیں اپنی اصل ذمہ داری کو چھوڑکرایک نئے طرز کی کمپنی بنانے کی۔لیکن توقیر مرزاکی ضداور محنت نے اس کام کوآگے بڑھایا۔جس وقت ان کے والداس دنیافانی سے رخصت ہوئے تھے اس وقت تک ایم آئی ٹی کافی مشہور ہوچکی تھی۔بہت سے انویسٹرزاور مختلف انڈسٹریز کے لوگ تھے جنہوں نے توقیر مرزاسے رابطہ کرناشروع کردیا۔وقت کے ساتھ ساتھ توقیر مرزانے دو مختلف ملکوں میں ایم آئی ٹی کی برانچز کھول لیں۔

لیکن جب وہ عمر کے اُس حصے میں پہنچے جہاں ان کی طبیعت اکثر خراب رہا کرتی تھی تب انہوں نے اپنی یہ کمپنی اپنے بڑے بیٹے کے نام کرنی چاہی تھی۔

ایم آئی ٹی کے ہیڈ آفس میں اس وقت اسد مرزا اپنی کرسی پہ براجمان کچھ فائلز دیکھ رہے تھے۔ گاہے بگاہے دروازے کی طرف بھی ایک نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرتے تھے۔ کسی کا انتظار تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ بے چینی کے بائث انہوں نے فائلز بند کر دیں اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ نظریں سامنے موجود وال کلاک پہ پڑیں جو دو بج کے پندرہ منٹ پہ رکی تھی۔ اسد مرزا فوراً سیدھے ہوئے اور ساتھ ہی ٹیبل پہ پڑا موبائل اٹھایا۔ تیز تیز کسی کا نمبر ملا کر انہوں نے فون کانوں کے ساتھ لگایا ہی تھا کہ اُن کے آفس کا دروازہ کھلا۔ کوئی ہاتھ میں فون لئے اندر داخل ہوا جو مسلسل بج رہا تھا۔

اسد مرزا کی نظریں بے اختیار اُس طرف اُٹھیں۔دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑے سلیم ملک کو دیکھ کر انہوں نے فون کان سے ہٹا دیا۔

"انتظار کروانا تو کوئی تم سے سیکھے۔"اسد مرزا اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔انہیں گلے لگاتے ہوئے ساتھ ہی شکایت بھی کی۔ سلیم ملک مسکرا دیئے۔

"تیری کمپنی والے مجھے کوئی سبیل صاحب سمجھ کر واپس بھیج رہے تھے۔"ان کی بات پہ اسد مرزا کچھ حیران ہوئے۔

"سبیل کا یہاں کیا کام؟"وہ سلیم ملک کے پیچھے اپنے کرسی کی طرف جاتے ہوئے بولے۔

"مجھے کیا پتا۔اپنے عظیم سٹاف سے پوچھو۔"انہوں نے مصنوعی خفگی کے ساتھ اسد مرزا کو دیکھا اور ٹیبل کے دوسری طرف موجود کرسی پہ بیٹھ گئے۔ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پہ رکھتے ہوئے وہ کافی سکون سے بیٹھے تھے۔"اور ہاں میرے لئے

ایک کپ چائے بھی منگوانا۔"ان کا حکم دینے والا انداز دیکھ کر اسد مرزا نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑے۔

"ضرور منگواتا ہوں پر پہلے ذرا اپنے دیر سے آنے کی کوئی وجہ بتانا چاہیں گے آپ؟"

"کچھ نہیں یار بس گھر سے نکلتے نکلتے کافی دیر ہو گئی تھی اور پھر لاہور کی ٹریفک کا تو تجھے بھی اندازہ ہے۔"سلیم ملک کے جواب پہ اسد مرزا نے سمجھ کر سر ہلایا اور ساتھ ہی انٹر کام اٹھا کر سمین کو دو کپ چائے کا کہنے لگے۔

"گھر میں سب کیسے ہیں؟ بھابھی اور بچے؟ بچے تو اب بڑے ہو گئے ہوں گے۔"فون رکھ کر اسد مرزا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ہاتھوں کو آپس میں باہم پھنسا کر ٹیبل پہ رکھ دیئے۔

"ہاں بڑے تو ہو گئے ہیں دونوں۔ باقی بھی سب ٹھیک ہیں۔"پھر کچھ سوچتے ہوئے پوچھنے لگے۔"ویسے تو آخری بار کب آیا تھا میرے گھر؟"سوال کے پیچھے

چھپا طنز اسد مرزا سمجھ گئے تھے اس لئے جواب دینے سے پہلے وضاحت دینا ضروری سمجھا۔

"یار تو خود تو یہاں ہوتا نہیں اور جب ہوتا ہے تب میرا چکر نہیں لگتا اسلام آباد کا۔ اس لئے جب سے لاہور شفٹ ہوا ہوں نہیں آسکا۔" آخری فقرے پہ ان کی آواز مدھم ہو گئی۔ سلیم ملک نے بھنویں اچکائی۔ "اب چکر لگاؤں گا پکا۔۔ کم از کم ایسے تو نہ دیکھ مجھے۔"

"اتنے سالوں میں تو آیا نہیں تو۔اب بھی مجھے اُمید نہیں تجھ سے۔" ان کا شکوہ بجا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اب تو میرا بھتیجا بھی وہاں چلا گیا ہے تو فکر نہ کر۔ میرا چکر لگتا رہا کرے گا۔" بھتیجے کے نام پہ سلیم ملک نے کچھ اچھنبے سے انہیں دیکھا۔

"ارحم؟" وہ فوراً ہی پہچان گئے تھے۔ "وہ اسلام آباد کب آیا؟؟" اسد مرزا اکثر ارحم اور حماد کا ذکر کرتے رہتے تھے تبھی سلیم ملک جانتے تھے کہ ارحم تو اُن کے ساتھ لاہور ہوتا ہے۔۔۔ لیکن پھر وہ اسلام آباد کیسے ؟

"بس ابھی کچھ دنوں پہلے ہی۔" وہ ابھی مزید تفصیل بتانے ہی والے تھے کہ دروازے پہ ہلکی سی دستک سن کر رک گئے۔ سمین نے دھیرے سے دروازہ کھولا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کے دو کپ تھے۔

"آجاؤ سمین۔" اسد مرزا نے اسے اندر آنے کی اجازت دی تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کی طرف آئی۔ ٹرے کو سامنے موجود شیشے کے ٹیبل پہ رکھا اور پھر اسی طرح واپس پلٹ گئی۔ اسد مرزا نے آگے بڑھ کر ایک کپ سلیم ملک کو پکڑایا اور ایک اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"میں نے اس کا ٹرانسفر وہاں کی ایک بہت اچھی بزنس یونیورسٹی میں کروایا ہے۔ سوچا اب بڑا ہو رہا ہے تو کچھ انڈیپنڈنٹ زندگی گزارنا سیکھ لے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن اب میرا غصہ کرنا اور بھی زیادہ بنتا ہے۔" انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔ سلیم ملک کو چائے کچھ خاص پسند نہیں تھی لیکن اکثر پی لیا کرتے تھے۔

"کیوں بھئی اس میں غصہ کس بات کا؟" اسد مرزا نے ذرا توقف کے بعد پوچھا۔

"تم وہاں آئے لیکن مجھے نہیں ملے۔ غصہ نہیں تو کیا پیار آئے گا؟"

"اچھا بھئی اگلی بار تیرے گھر ضرور چکر لگاؤں گا۔"

سلیم ملک نے اسد مرزا کی بات پہ ایک سوچتی نگاہ اُن پہ ڈالی۔ "لیکن ایک بات یاد رکھ، میں تجھے اکیلے نہیں آنے دوں گا بلکہ توار حم اور حماد کو ساتھ لائے گا۔۔۔ اِنفیکٹ ہو سکے تو صفیہ خالہ کو بھی ساتھ لے آنا۔" وہ جیسے سب پلین کر چکے تھے۔ اسد مرزا نے محض ان کی ہاں میں ہاں ملادی۔ اب وہ سلیم ملک کو مزید یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ان کی ماں نے کہیں بھی آنا جانا بالکل ترک کر دیا ہے۔ خیر یہ سب بعد

کی باتیں تھی۔ابھی جس مقصد کے لئے انہوں نے سلیم ملک کو یہاں بلایا تھا وہ بات پہلے کرنی تھی۔

اسد مرزا نے چائے کا کپ نیچے رکھا اور تھوڑا آگے کو ہو کر بیٹھ گئے۔

"سلیم تو جانتا ہے نا میں نے تجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟" وہ اچانک ہی کافی سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ سلیم ملک نے بھی خاموشی سے کپ نیچے رکھا۔ سوالیہ نگاہیں اسد مرزا پہ جمائے وہ بھی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"ہاں لیکن مجھے ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ میں ہی کیوں اسد؟" ان کے استفسار پہ اسد نے ایک لمبی سانس اندر کھینچی۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب دینا آسان نہیں تھا

۔

"تو وہ واحد شخص ہے سلیم جس پہ میں خود سے زیادہ اعتبار کرتا ہوں۔" انہوں نے سلیم ملک کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"پر یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اسد۔ میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔"

"تو مجھ پہ بھروسہ تو کر، میں نے کچھ سوچ کر ہی تجھے چنا ہے۔" وہ بول کر ٹیبل کا سب سے آخری دراز کھولنے لگے۔ کچھ فائلز ٹیبل پہ رکھیں اور ایک کھول کر سلیم ملک کے سامنے رکھ دی۔ سلیم ملک نے پہلے فائل کو اور پھر اسد مرزا کو دیکھا۔

"صرف ایک دستخط ہی تو ہے سلیم۔" سلیم ملک نے گردن نفی میں ہلائی۔

"یہ صرف ایک دستخط نہیں ہے اسد، یہ تیری اور تو قیر انکل کی سالوں کی محنت ہے جو تو میرے حوالے کر رہا ہے۔ اور ویسے بھی ہشام بھائی کے ہوتے ہوئے بھی تو نے میرا انتخاب کیسے کیا؟ اس پہ سب سے پہلا حق تو ان کا ہے۔"

"بات حق کی نہیں، بات قابلیت کی ہے سلیم۔ میرا بھائی ایک بہت بڑا آدمی ضرور بن گیا ہے لیکن وہ بہت پہلے ہم سے اپنے تمام تعلقات توڑ چکا ہے۔ اب اگر وہ خود بھی آ کر مجھ سے یہ کمپنی مانگے تو میں اُسے نہیں دوں گا۔ میرے باپ نے ہمیشہ

انہیں سب دینا چاہا لیکن جب ہشام بھائی نے تب انکار کر دیا تھا تو تمہیں کیا لگتا ہے کیا اب وہ اِس کمپنی کو اپنائیں گے ؟"

سلیم ملک نے کچھ نہیں کہا۔ وو کیا کہتے ؟

"تم بس مجھ پہ ایک احسان سمجھ کر ان پیپرز پہ سائن کر دو سلیم۔" اسد مرزا نے ایک آس سے سلیم ملک کو دیکھا جو کسی الجھن کا شکار تھے۔ ایک طرف دوست تھا اور دوسری طرف اتنی بڑی ذمہ داری۔

"مجھے کچھ وقت دو اسد۔۔۔ میں اتنا بڑا فیصلہ اتنی جلدی نہیں لے سکتا۔" وہ ایک نتیجے پہ پہنچ چکے تھے۔ اسد مرزا نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"ٹھیک ہے۔ تو جب تک یہاں ہے اِس بارے میں سوچ لے لیکن واپس جانے سے پہلے مجھے جواب دے کر جانا۔" انہوں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے تو سلیم ملک نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"چل اب مجھے گھر لے کر جا۔ بھوک سے برا حال ہے۔" سلیم ملک نے پل بھر میں سنجیدہ ماحول کو اپنی بات سے تبدیل کر دیا تھا۔

"تو چل میں آتا ہوں بس۔"

سلیم ملک دروازہ کھول کر باہر چلے گئے اور اسد مرزا سامنے پڑی فائلز سمیٹنے لگے جب اچانک ایک فائل سے کچھ نیچے گرا۔ اسد مرزا نے جھک کر دیکھنا چاہا۔ وہ ایک چھوٹا سا کاغذ تھا ایسے جیسے کسی صفحے سے پھاڑا گیا ہو جہاں انگریزی میں کچھ حروف اور نمبرز لکھے تھے۔ بہت دھندلے سے۔

"MD 567"

www.novelsclubb.com

اسد مرزا نے کچھ دیر تو انہیں سمجھنے کی کوشش کی لیکن پھر جب وہ الفاظ ذہن میں بیٹھے تو ان کے چہرے سے سارے رنگ مانو غائب ہو گئے تھے۔ دماغ جیسے ماؤف ہونے لگا تھا۔ نظریں بار بار اس کاغذ پہ لکھے حروف کا طواف کر رہی تھیں۔ انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے وہ کاغذ اٹھایا اور بے اختیار اپنے خالی آفس کو دیکھا۔ وہاں کوئی

نہیں تھا۔ پھر بنا سوچے سمجھے اسد مرزا نے وہ کاغذ ٹیبل کے سب سے نچلے دراز میں ڈال کر اسے لاک لگا دیا۔ وہ کاغذ نظروں کے سامنے سے ہٹا تو ان کے سوچنے سمجھنے کی حس واپس لوٹ آئی۔ پھر خود کو قدرے کمپوز کرتے ہوئے وہ باہر نکل آئے تھے۔ ڈور ناب کھولتے وقت ان کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کچھ کم ہوئی۔

"سمین میرے آفس سے چائے کے برتن اُٹھالو اور اُس کے بعد میرے آفس میں کسی کو مت آنے دینا۔ سوئیپرز کو بھی نہیں۔ اوکے؟" ریسیپشن ایریا تک پہنچنے پر انہوں نے سامنے کھڑی سمین کو مخاطب کیا۔ سمین نے بہت تابعداری سے سر ہلایا

۔

www.novelsclubb.com

"جی سر آپ بے فکر ہو جائیں۔" کہہ کر وہ اسد مرزا کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بھی اپنا کوٹ ہاتھوں میں ڈالے باہر کی طرف بڑھ گئے تھے لیکن ان کے چہرے پہ پھیلا اضطراب کسی صورت کم نہ ہوا۔

وہ کاغذان کے آفس تک کیسے پہنچا تھا؟ یہ سوال بار بار ان کے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

☆☆☆

دن کو جب وہ لوگ گھر پہنچے تو کافی دیر ہو گئی تھی۔ صفیہ مرزا اُن کا کھانے کے میز پہ انتظار کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم خالہ کیسی ہے آپ۔" وہ دونوں ہاتھ منہ دھو کر کھانے کے میز پہ بیٹھے تھے جب سلیم ملک نے صفیہ مرزا سے باتوں کا سلسلہ شروع کیا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا۔ تم کیسے ہو؟ اور گھر میں سب کیسے ہے؟"

"بس اللہ کا کرم ہے خالہ۔"

"ویسے اس بار کافی ٹائم بعد چکر لگایا ہے تم نے نہیں؟" صفیہ مرزا نے ہاتھوں کے اشارے سے ملازم لڑکے کو ساتھ ساتھ کھانا رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو تو پتہ ہے خالہ سال میں ایک چکر لگتا ہے میرا۔اُس میں پھر گھر والوں کے لئے ہی وقت نکال پاتا ہوں میں۔" سلیم ملک پانی کا گلاس اٹھائے کہنے لگے۔

"ہاں یہ تو ہے بیٹا۔" انہوں نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور پھر کھانا لگاتے ملازم لڑکے سے مخاطب ہوئی۔"رامیل ذرا اندر کمرے سے حماد کو بلا لاؤ۔" رامیل جو بظاہر چوبیس پچیس کے قریب قریب تھا، ملائی رنگ کی شلوار قمیض پہنے اور درمیانا قد لئے صفیہ کی آواز پہ "جی" کہتا حماد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں حماد اپنے سیاہ ٹراؤزر شرٹ اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ باہر آ پہنچا۔اس کو سلیم ملک کے آنے کا نہیں پتا تھا اس لئے اس کا حلیہ کافی بکھرا بکھرا سا تھا۔

"السلام علیکم بابا۔" ہاتھ میں پکڑے موبائل سے نظریں اٹھا کر اس نے باپ کو سلام کیا لیکن پھر ساتھ بیٹھے سلیم ملک کو دیکھ کر لمحے بھر کے لئے ٹھٹکا۔

"السلام علیکم انکل۔" کچھ سنبھل کر انہیں بھی سلام کیا۔ساتھ ہی ایک نظر اپنے حلئیے کو دیکھا۔اس کی حالت کم از کم کسی کے سامنے جانے والی نا تھی۔بے اختیار ہی اسے شرمندگی ہوئی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔کیسے ہو؟" سلیم ملک نے اس کا جھجھکنا دیکھا تو خود ہی سوال کر بیٹھے۔

"میں ٹھیک انکل۔آپ کیسے ہیں؟اور سعودیہ سے کب آئے۔بتایا بھی نہیں کسی نے مجھے۔" اس نے ٹیبل پہ بیٹھے اسد مرزا اور صفیہ مرزا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو بتا نہیں سکتا تھا مجھے کوئی؟

"میرے ذہن سے نکل گیا تھا بیٹا۔" صفیہ مرزا نے اس کی پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔پھر ایک ہاتھ سے کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا۔

سب لوگوں نے کچھ ہی دیر میں کھانا شروع کر دیا۔اسد مرزا اور سلیم ملک ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے۔گاہے بگاہے حماد سے بھی کوئی

نہ کوئی بات پوچھ لیتے لیکن زیادہ تر وہ چپ ہی تھا۔ ویسے بھی آجکل وہ بہت خاموش رہنے لگا تھا۔ کوئی فضول بات کرنا تو دور وہ پہلے کی طرح ہنسی مذاق کرنا بھی چھوڑ چکا تھا۔ کسی کی کمی تھی جو اسے کاٹ کھا رہی تھی۔ ابھی بھی کھانے کی پلیٹ پہ نظریں جمائے اچانک ہی آنکھوں کے پردوں پہ ایک منظر سا ابھرا۔

"دادو اسے دیکھیں!!! یہ میری پلیٹ میں سے کھانا کھا رہا ہے۔" حماد نے سختی سے اپنی پلیٹ اپنے بازوؤں کے حصار میں چھپا رکھی تھی تاکہ اس کے کھانے پہ نظر رکھنے والا ارحم اس کی پلیٹ سے نہ کھائے۔ ارحم نے اس کے شکایت لگانے پہ منہ بنایا۔

"کیا مسئلہ ہے اگر کھا رہا ہوں تو؟ ویسے بھی ایک ہی تھالی میں کھانے سے پیار بڑھتا ہے۔" اس نے بناوٹی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ حماد نے فوراً گردن نفی میں ہلائی۔

"مجھے کوئی پیار ویار نہیں بڑھانا تمہارے ساتھ۔مجھے اپنے کھانے میں دوسروں کی چمچ نہیں پسند۔" پلیٹ کھسکا کر ارحم سے دور کرتے ہوئے اس نے دور رہنے کا اشارہ کیا۔ارحم کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد اپنی کرسی پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھ گیا۔

"اچھا ٹھیک ہے نہیں کھاتا تمہاری پلیٹ سے۔" چمچ اپنی پلیٹ پہ پھینکنے کے سے انداز میں رکھتے ہوئے ارحم نے اسے یقین دلانا چاہا۔اس کی حرکت پہ حماد کچھ دیر تک تو اسے دیکھتا رہا۔پھر جب یقین ہو گیا کہ اب ارحم اس کی پلیٹ سے نہیں کھائے گا تو سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔پلیٹ اپنے سامنے کر کے اس نے جیسے ہی چمچ آگے بڑھائی۔ایک ہی جھٹکے سے ارحم اس کی پلیٹ لے کر اٹھ بھاگا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اوئے میری پلیٹ!!!" وہ چلاتا ہوا اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

"اب یہ میری ہے!!" ارحم نے اونچا سا اعلان کیا۔دونوں ٹیبل کے گرد بھاگ رہے تھے۔ارحم آگے تھا اور حماد اس کے پیچھے پیچھے۔منظر ہوا میں تحلیل ہونے لگا۔

"اور حماد بیٹا پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟" سلیم ملک کے سوال پہ حماد کا جیسے سکتہ ٹوٹا۔اس نے پہلے انہیں دیکھا اور پھر اپنے سامنے پڑی پلیٹ کی طرف۔اس کی پلیٹ اس کے سامنے ہی تھی اور وہاں کوئی ارحم نہ تھا جو اس کی پلیٹ سے کھانا کھاتا۔

"اچھی جا رہی ہے انکل۔اب تو نیا سمسٹر سٹارٹ ہو گیا ہے۔" حماد کا دل عجیب سا ہونے لگا تھا،اس نے کھانے کی پلیٹ کو خود سے دور کرتے ہوئے جواب دیا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"آپ لوگ کھائیں۔میں چلتا ہوں۔میری بس ہو گئی ہے۔" اسے اٹھ کر جاتا دیکھتے ہوئے صفیہ مرزا نے اسے پکارنا چاہا لیکن پھر خود ہی رک گئیں۔حماد ویسے بھی ان کی کہاں سننے والا تھا۔

"اِسے کیا ہوا امی؟" اسد نے صفیہ مرزا سے سوال کیا جو مسلسل حماد کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے نہیں پتا لیکن جب سے ارحم گیا ہے، حماد تو بس اپنے کمرے میں بند سا ہو کر رہ گیا ہے۔" انہوں نے ایک فکر مند نگاہ اپنے بیٹے پہ ڈالی۔

"ہو سکتا ہے وہ ارحم کو کچھ زیادہ ہی یاد کر رہا ہو۔" سلیم ملک جو خاموشی سے بیٹھے سب دیکھ رہے تھے بول اٹھے۔

"مجھے تو اپنے دونوں بچوں کی پریشانی ہی رہتی ہے۔" صفیہ مرزا نے بہت دھیمی آواز میں اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"آپ فکر نہ کریں امی، میں اس سے بات کروں گا۔" اسد مرزا نے دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے جیسے فیصلہ کیا۔ باقی سب بھی ان کی دیکھا دیکھی کھانا کھانے لگے۔

اندر کمرے میں موجود حماد نے جاتے ساتھ ہی ارحم کو کال ملائی تھی۔ اور اب اس کی بتائی گئی کسی بات پہ کھل کھلا کر ہنس رہا تھا۔

☆☆☆

رات کا اندھیرا کھلے آسمان کو دھیرے دھیرے اپنی سیاہی میں لپیٹ رہا تھا۔ ہوائیں آج ساکت تھیں۔ فلک بادلوں سے خالی اور زمین والے اپنی دنیاوی زندگی میں مگن دیکھائی دیتے تھے۔ ملک ہاؤس اس وقت ہلکی روشنیوں سے چمک رہا تھا۔

دوسری منزل پہ موجود ایک کمرے کی کھڑکی اس وقت کھلی تھی۔ کھڑکی سے باہر اندھیرا گہرا ہوا تو آسمان پورے چاند سے روشن ہونے لگا۔ وہ اپنے بستر پہ بیٹھی کھڑکی سے باہر نظر آتے آسمان کو تکنے لگی۔ چاند کو دیکھنا اسے ایک عجیب سا سکون دیا کرتا تھا۔ وہ چاہے تو گھنٹوں بیٹھ کر اس چاند کو دیکھ سکتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"کیا وہاں سے دنیا اتنی ہی پیاری لگتی ہے جیسے یہاں سے تم؟" اس نے بہت دھیمی آواز میں سوال کیا۔

گھٹنوں کو بازوؤں میں سمیٹے، ٹھوڑی جھکائے اس کی وہ سبز آنکھیں چاند پہ ٹکی تھیں۔

"کیا تم صرف اتنے دور ہونے کی وجہ سے مجھے اچھے لگتے ہو؟"اس نے اپنا دایاں ہاتھ ٹھوڑی تلے رکھ کر پوچھا۔

"یا تمہارا یہ اندھیرے میں نور بکھیرنا مجھے تم سے انسیت کے لیے مجبور کر دیتا ہے؟"اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔جیسے ڈھیروں جگنوؤں نے اس کی آنکھوں میں بسیرا کر لیا ہو۔جیسے بہت سی باتوں نے اس کی آنکھوں سے کہے جانے کی ٹھان لی ہو۔

"کیا تمہارے اندھیرے تمہیں ڈراتے نہیں ہے؟"اس کے ابرو سوالیہ انداز میں اکھٹے ہوئے۔"جو جتنا روشن ہوتا ہے اس کا سایا اتنا ہی سیاہ ہو جایا کرتا ہے۔مجھے اپنے اندر کے اندھیروں سے خوف آتا ہے۔۔۔کیا تمہیں نہیں آتا؟"ہوائیں ابھی بھی ساکت تھیں۔وہ اس خاموشی میں بس اپنی چلتی پر سکون سانسیں سن سکتی تھی۔

اسے وہاں بیٹھے نجانے کتنا وقت گزرا تھا۔کمرے میں اس وقت کوئی نہ تھا۔اس نے لائٹس بھی آن نہیں کی تھیں۔اسے یہ وقت صرف اپنے لئے چاہیئے تھا۔پر کوئی تھا جو اس کے سکون میں خلل ڈالنے کے لئے ہی شاید اس دنیا میں آیا تھا۔

"بلی!! یہ چیک کرو!!"ھادی چلاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ساتھ ہی لائٹس آن کی تو پورا کمرہ روشنیوں سے نہا گیا۔اس کی آواز پہ آئرہ کا جیسے تسلسل ٹوٹا۔اس نے خفگی سے اپنی طرف آتے ھادی کو دیکھا جو پرجوش نظر آرہا تھا۔ھادی نے اس کے خفا خفا سے چہرے کو دیکھے بغیر موبائل اس کے سامنے کیا۔موبائل اتنا قریب تھا کہ ایک پل کو تو اس کی بصارت دندھلا گئی۔

www.novelsclubb.com

"افوہ! موٹے اسے تو دور کرو۔"اس نے ھادی کا ہاتھ خود سے دور جھٹکا۔

"دیکھو تو صحیح یار۔"وہ ایک مرتبہ پھر موبائل اس کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔لیکن اس بار فون تھوڑا فاصلے پہ تھا۔اس پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی۔گھنگریالے بالوں والا ایک لڑکا سکرین پہ نظر آرہا تھا۔وہ شاید کچھ کہہ رہا تھا۔آئرہ نے اچھنبے

سے ھادی کی طرف دیکھا۔اس سے پہلے وہ پوچھتی کہ یہ کیا ہے،ھادی خود ہی بول پڑا۔

"شاہ میر بھائی انسٹا پہ لائیو آئے ہوئے ہیں اور دیکھو وہ اپنے فالورز میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ لائیو میں لینے کی بات کر رہے ہیں!! دعا کرو وہ میرا نام لیں۔"ھادی نے موبائل سکرین اپنی طرف موڑ کر کہا۔وہ کسی بچے کی طرح خوش نظر آرہا تھا۔ آئرہ نے سر جھٹکا اور چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ لیا۔

"ہمارے پاس اس وقت کافی لوگ لائیو میں موجود ہیں تو کسی ایک کا نام لینا مشکل ہے۔"موبائل سے آتی آواز نے نہ چاہتے ہوئے بھی آئرہ کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اسے یہ آواز جانی پہچانی لگی تھی۔

"میں رینڈملی آپ میں سے کسی کو ریکوسٹ بھیجوں گا۔۔۔سرمد آفان پلیز میری ریکوسٹ ایکسیپٹ کریں۔"اب کی بار آئرہ نے بھی موبائل کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا بات ہوئی میں کب سے اپنا نام لکھ رہا تھا۔" ھادی کی پر جوش جوت بجھ گئی۔ وہ ایک دم اداس سا ہو گیا تھا پر آئرہ نے اسے نہیں دیکھا۔اس کی ایک نظر اس کے فون پہ جمی تھی۔ان گھنگریالے بالوں اور سنہری آنکھوں نے اس کے دماغ میں جیسے کوئی جھماکا کیا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر اچانک ھادی سے فون کھینچا۔

"کیا ہو گیا ہے بلی۔۔پنجے کیوں مار رہی ہو۔" وہ چڑنے کے سے انداز میں بولا، پر آئرہ موبائل اپنے قریب کئے سکرین پہ نظر آتے اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی۔

"تو سرمد بتائیں آپ کیسے ہیں؟" شاہ میر اب سکرین پہ نظر آتے دوسرے لڑکے سے پوچھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور آپ کا بہت بڑا فین ہوں شامی بھائی۔" وہ لڑکا بول رہا تھا پر آئرہ کا دھیان کہیں اور تھا۔اسے اچانک ہی وہ مال والا لڑکا یاد آیا تھا۔شاہ میر فرقان۔۔۔وہ اسے کیسے نہیں پہچان سکی؟

"مجھے دو نا موبائل میں بھی دیکھوں۔" ھادی نے اس کے ہاتھ سے فون لیا۔

"میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔" آئرہ بہت دھیرے سے بڑبڑائی لیکن ھادی نے نہیں سنا۔

"میں نے اسے دیکھا ہوا ہے ھادی۔" اب کی بار اسے دیکھ کر کہا تو ھادی نے ابرو اچکائے۔

"کسے دیکھا ہے؟"

"شاہ میر فرقان کو۔" اس کا دماغ اب تیزی سے چل رہا تھا۔ اچانک ہی اسے سمجھ آ گیا تھا کہ وہ لڑکا اسے تب بھی جانا پہچانا کیوں لگا تھا۔ کچھ ہی ہفتوں پہلے تو ہانیہ لوگ اس کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ وہ فوراً اسے کیسے نہ پہچان سکی؟

"کہاں پر؟" ھادی کا سوال اسے اپنی سوچوں سے باہر لایا۔

"اس دن مال میں..... جب میں اور ملیشا گئے تھے۔ میں نے اسے وہاں دیکھا تھا۔ یہ..... او گاڈ ھادی یہ تو تمہارا شامی بھائی تھا۔" اسے جیسے اب احساس ہو رہا تھا۔

"تم نے شامی بھائی کو مال میں دیکھا تھا؟؟"ھادی ایک دم چلایا۔

"چلاؤ تو مت موٹے۔"آئرہ نے اسے فوراً ڈپٹا۔

"تم میرے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہی؟"اپنی ایکسائٹمٹ کو اچانک چھپاتے ہوئے وہ بولا۔اسے اپنی بہن پہ ذرا برابر بھروسا نہیں تھا۔

"نہیں یار سچ کہہ رہی ہوں یہ وہاں تھا۔میں نے بس پہچانا نہیں اُس وقت لیکن یہ وہی تھا۔آئرہ کی نظریں دھوکا نہیں کھاتی۔"اور اس کی آخری بات کو تو ھادی بھی رد نہیں کر سکتا تھا۔وہ جانتا تھا اگر آئرہ کہہ رہی ہے اس نے شاہ میر کو دیکھا ہے تو اس نے واقع دیکھا ہو گا۔پر ھادی کو ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔اس کی بہن اس کے پسندیدہ انفلیونسر سے ملی ہے؟؟

"اوبلی تم کتنی لکی ہو یار۔"اسے اپنی بہن کی قسمت پہ جیسے رشک آیا تھا۔"وہ اصل زندگی میں کیسے ہیں۔ایسے ہی ہنڈسم ہیں کیا؟"اس نے موبائل ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے کیا جس میں وہی گھنگریالے بالوں والا لڑکا کسی بات پہ شاید ہنس رہا تھا۔

"ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔کچھ خاص ڈفرنٹ نہیں تھا وہ۔"آئرہ نے مال والے واقعے کو یاد کرنے کی کوشش کی۔اسے سوچنے پہ اچانک ہی اسے ہنسی آئی تھی۔"لیکن وہ لوگوں کو عجیب و غریب ناموں سے بلاتا ہے۔"اسے شاہ میر کا رامو کا کہنا یاد آیا۔ پھر اس کا سفید پڑتا چہرہ بھی جب آئرہ نے اس کے رامو کہنے پہ اسے گھورا تھا۔

"کیا مطلب؟"ھادی کو نہ تو اس کی بات سمجھ آئی اور نہ ہی اس کے ہنسنے کی وجہ۔

"تم رہنے دو موٹے تم نہیں سمجھو گے۔"وہ بے وجہ مسکرا رہی تھی۔پھر سر جھٹکی اپنی جگہ سے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔اس کے پیچھے ھادی ہاتھوں میں فون لئے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

☆☆☆

یہ تصویریں کتنی عجیب ہوتی ہیں نا؟جو وقت ہم روک نہیں سکتے یہ انہیں اپنے اندر قید کر لیتی ہیں اور جب کبھی ہمیں پرانی کسی یاد کا خیال آئے تو بس ایک تصویر وہ تمام

احساسات واپس لوٹا دیتی ہے۔پر کچھ یادوں کے ساتھ جو تکلیفیں جڑی ہوتی ہیں وہ بھی اتنی ہی شدت سے محسوس ہونے لگتی ہیں۔

اس وقت ارحم بھی ایسی ہی ایک تصویر کو ہاتھوں میں پکڑے کھڑا تھا۔آسمان تاریک تھا۔بالکونی میں موجود اُس وقت ارحم کے بھورے بال ہوا کے مسلسل جھونکوں سے اڑ کر اُس کی پیشانی پہ پڑ رہے تھے جہاں اداسی کی لکیریں نمایاں تھیں۔اُس کی آنکھوں میں اُس وقت زمانے بھر کا ملال تھا۔

بالکونی میں کھڑے ارد گرد کی بلڈ نگز سے آتی مدھم روشنی کے ذریعے ارحم ہاتھ میں پکڑے فریم کو دیکھ رہا تھا جہاں دو بچے دکھائی دے رہے تھے۔سات آٹھ سال کے قریب ایک لڑکا جس نے ایک ہاتھ میں پھولوں کا ایک گلدستہ پکڑ رکھا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے ایک چھوٹی سی چار سالہ بچی کا ہاتھ۔وہ دونوں کیمرہ میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔بچی کی مسکراہٹ اتنی پیاری تھی کہ دیکھنے والے کے ہونٹ اسے

دیکھتے ہی خود مسکراہٹ میں ڈھل جائیں جبکہ لڑکے کے چہرے پہ بھی وہی بچوں کی سی مسکان تھی۔

وہ تصویر دیکھنے میں کسی خوبصورت یاد کا ایک عکس لگ رہی تھی لیکن ارحم کا دل اتنا ہی زخمی ہو رہا تھا۔تکلیف شدید تھی۔اس نے آنکھیں میچ لیں۔اس کے دماغ نے اندھیرے میں کچھ پرانے نقشے کھینچنا شروع کر دیئے۔ایک پرانی یاد کا سرا پکڑتے ہوئے ارحم نے آس پاس کی دنیا کو جیسے بھلا دیا۔

"اگر میں آپ کو چھوڑ کر چلی جاؤں تو آپ کیا کریں گے؟"وہ بچی، چہرے پہ ڈھیرو ں معصومیت لئے اس سے سوال کر رہی تھی۔

"تو میں تمہیں ڈھونڈوں گا۔"اس نے مسکرا کر پیار سے اس کی ناک دبائی۔

"اگر میں ایسی جگہ جاؤں جہاں آپ مجھے ڈھونڈ نہ سکیں پھر؟"وہ جو سننا چاہتی تھی سامنے بیٹھا بچا وہ بول نہیں رہا تھا۔

"تو میں کچھ نہیں کروں گا، تمہیں جب میری یاد آئے گی تو تم خود واپس آ جاؤ گی۔"

بچے نے سنجیدہ سے تاثرات لئے جواب دیا۔

"تو کیا آپ میرے پیچھے نہیں آئیں گے؟" وہ اب اداس ہونے لگی تھی۔اسے تو اس کی فکر ہی نہیں تھی۔"پھر ٹھیک ہے میں بھی چلی جاؤں گی اور دوبارہ کبھی واپس نہیں آؤں گی! آپ کی یاد بھی آئی، تب بھی نہیں۔" وہ غصے سے منہ پھلاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔اس کے پیچھے وہ اس کی باتوں پہ زور سے ہنس پڑا۔وہ کتنی معصوم تھی۔اسے رہ رہ کر ہنسی آ رہی تھی۔

آنکھیں کھلتے ہی اس یاد کا سرا ارحم کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔وہ اندھیروں میں واپس لوٹ آیا تھا۔ حقیقت کے اِن خوفناک اندھیروں میں۔

"مجھے معاف کر دو، میں اب چاہ کر بھی تمہیں دوبارہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔" اس نے فریم پہ اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے دکھ سے کہا۔

رات کی خاموشی اس کے حواسوں پہ بھاری پڑ رہی تھی۔اور جب مزید یہ برداشت نہ ہوئی تو وہ ایک مرتبہ پھر بول پڑا۔

"پتہ ہے اس دن میں نے تمہیں دیکھا۔" وہ بولا اور پھر اپنی بات پہ ہنس پڑا۔"میرا مطلب تمہیں نہیں پر ہو بہو تمہاری طرح ہی کسی کو۔"اس نے فریم نظروں کے سامنے کیا۔"بے شک وہ تم سے کچھ مختلف تھی لیکن ایک پل کو مجھے لگا تم میرے سامنے آگئی ہو۔اور پھر مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہیں آیا۔"ذہن کے کسی کونے میں وہ مال والا منظر ابھرا تھا۔وہ سبز آنکھیں اسے اچانک ہی یاد آئی تھیں۔ ساتھ ہی ہلکا سا افسوس بھی تھا کہ کاش وہ اس کا چہرہ مکمل طور پہ دیکھ سکتا۔

www.novelsclubb.com

"شاید تم ایک بار پھر میرے دل اور دماغ پہ ہاوی ہونے لگی ہو۔"تمام خیالوں کو دماغ سے جھٹکتے ہوئے ارحم نے اس تصویر سے شکایت کی۔پھر ایک آخری نظر اُس پہ ڈال کر اندر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔بیڈ سائڈ ٹیبل کا دوسرا دراز کھول کر ارحم

نے وہ تصویر اندر رکھ دی۔ وہ چہرہ نظروں سے چھپ گیا تھا لیکن دل یکدم خالی ہو گیا۔

کچھ یادیں دلوں میں ایک عجیب سا خالی پن چھوڑ جاتی ہیں۔

☆☆☆

رات کا تیسرا پہر تھا۔ باہر کے پر سکون ماحول کو بلائے طاق رکھتے ہوئے ایک چھوٹے سے بیسمنٹ نما کمرے میں آؤ تو وہاں دو افراد ایک بڑی سی ٹی وی سکرین کے سامنے نظر آئیں گے۔ پورے کمرے میں فرنیچر کے نام پہ بس ایک میز اور دو کرسیاں تھیں جس میں سے ایک پہ وہ ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ بھورے رنگ کی شلوار قمیض پہنے اُس کا وہ پر کشش چہرہ تناؤ کی زَد میں آیا ہوا تھا۔

آنکھیں مسلسل اُسے گھور رہی تھیں جو اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

"سر میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے اسے ٹریس کرنے کی لیکن میں اس تک نہیں پہنچ پا رہا ہوں۔" جینز شرٹ والے لڑکے نے مؤدب انداز میں سر کو جھکا دیا۔ وہ طوفان سے پہلے والی خاموشی پہچان گیا تھا۔

"نالائق ہو تم سب!!" وہ شخص ایک دم بھڑک اٹھا۔ غصے کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہوئے وہ کھڑا ہو گیا اور پھر زور سے اپنے سامنے موجود اس پرانے سے لکڑی کے ٹیبل کو ٹھوکر ماری۔ جینز شرٹ والا لڑکا بے اختیار دو قدم پیچھے ہوا۔

"ایک کام۔۔۔ایک چھوٹا سا کام تم لوگ نہیں کر سکے؟؟ لعنت ہو تم لوگوں پہ۔" وہ دائیں بائیں چکر لگانے لگے تھے۔ انداز سے بے بسی بھرا غصہ جھلک رہا تھا۔ ایک سال۔۔۔ایک سال کی کوشش اور کوئی حاصل وصول نہیں۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔

"آپ فکر مت کریں سر میں نے اپنی پوری ٹیم کو اس کام پہ لگایا ہوا ہے۔ ہم تب تک سکون سے نہیں بیٹھیں گے جب تک وہ ہمیں مل نہیں جاتی۔" لڑکے نے اپنی

بات کا یقین دلانا چاہا لیکن وہ بھی جانتا تھا کہ اس سب سے کچھ نہیں ہونے والا۔اب اسے کچھ اور کرنا تھا۔کچھ بہت بڑا۔

"تم نے کبھی شطرنج کی بازی لگائی ہے فیصل؟"خود کو قدرے کمپوز کرتے ہوئے وہ شخص اچانک ہی بول پڑا۔آواز میں پہلے والا غصہ اب بھی تھا لیکن اس کے ساتھ اب ایک سرد مسکراہٹ بھی تھی۔

"میرا باپ بڑے شوق سے شطرنج کھیلا کرتا تھا۔لیکن مجھے کبھی اس کھیل کی سمجھ نہیں آئی تھی۔"وہ اب چھوٹے چھوٹے قدم لیتا فیصل کی جانب بڑھ رہا تھا جو اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا۔نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں۔"پھر میں نے ایک دفعہ بیٹھ کر اس کے بارے میں پوچھا اور جانتے ہو مجھے کیا پتہ چلا؟؟"فیصل نے ذرا سی نگاہ اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا۔"کھیل کو جیتنے کے لئے مخالف کھلاڑی کے بادشاہ کو مات دینی ہوتی ہے۔مخالف کھلاڑی کے بادشاہ کو مات دینا ہی کھیل کا ہدف ہوتا ہے لیکن بادشاہ کو براہِ راست مارا نہیں جاتا۔"وہ اب اس کے

عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ایک ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھ کر وہ ایک مرتبہ پھر گویا ہوا۔

"البتہ بادشاہ کو شہ دے کر اس کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لینا کہ بادشاہ کے شہ سے نکلنے والے ممکنہ ارد گرد کے تمام قریبی خانے مخالف مہروں کی زد پہ ہوں اور کسی صورت بادشاہ کو شہ سے نکالنا ممکن نہ ہو تو بادشاہ مات یعنی شہ مات ہو جاتا ہے اور شہ مات کرنے والا کھلاڑی جیتنے والا قرار پاتا ہے۔"ان کی سرد مسکراہٹ مزید پھیل گئی۔آنکھیں مسکرانے کے باعث جھریوں کے زد میں آ گئیں۔

www.novelsclubb.com

"اور مجھے اس دن اندازہ ہوا کہ اپنے مخالف کھڑے بادشاہ کو مات دینے کے لئے مجھے بھی اس کے تمام مہروں کو راستے سے ہٹانا ہو گا۔اسے ایسے گھیرنا پڑے گا کہ وہ خود اپنی مات تسلیم کر لے۔۔۔تم پوچھو گے نہیں کہ میں یہ سب کیسے کروں گا؟"

"کیسے سر؟" بلآخر فیصل جب بولا تو اس ادھیڑ عمر شخص نے اس کا شانا دھیرے سے تھپتھپایا اور اُس کے ساتھ سے گزر کر سامنے موجود ٹی وی سکرین کو دیکھا جہاں مختلف کیمرا ز کی فوٹجز چل رہی تھیں۔ فوٹیجز میں جگہ ایک ہی تھی جس کو مختلف زاویوں سے کیمرہ میں قید کیا گیا ہو۔ ہر فوٹیج میں ایک ہی منظر تھا۔ ایک لڑکی جو کسی مال سے باہر نکل رہی تھی۔ ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ لڑکی کا چہرہ زوم کرنے پہ واضح نظر آرہا تھا۔

"اس کے قیمتی مہروں کو اس کے خلاف کر کے یا بساط سے باہر نکال کے۔" اس کی آنکھوں میں ایک خوفناک تاثر نے جگہ بنالی تھی۔ ایک ایسا شکاری جو اپنے شکار کو نوچ کھانے سے بھی گریز نہ کرے۔

☆☆☆

لندن کی سڑکیں دن کے اِس پہر کافی خاموش تھیں۔ آس پاس لوگوں کا رش معمول کے مقابل کم تھا۔ ایسے میں وہ اس اوپن کیفے کے سامنے موجود تھی جس کی

سرمئی رنگ کی دیواروں کو جگہ جگہ پھولوں سے سجایا گیا تھا۔وہ چھوٹا سا اوپن کیفے سڑک کے بالکل آخری حصے میں تھا۔اس کے ایک طرف سے چھوٹی سی گلی نکلتی تھی۔کیفے کے عین سامنے تین سے چار میز رکھے تھے جن کے آس پاس دو دو کر کے کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ایسے ہی ایک میز میں وہ بھی بیٹھی تھی۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، چھوٹا سا بیگ میز پہ رکھے، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ دور کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔سر کو سفید رنگ کے سکارف سے ڈھانپا ہوا تھا۔آنکھیں پر سوچ انداز میں قدرے چھوٹی کئے وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس کا تسلسل تب ٹوٹا جب ویٹر نے اس کے میز پہ بلیک ٹی رکھی تھی۔

"میم آپ اور کچھ لیں گی؟"مؤدب انداز میں ہاتھوں کو باندھے وہ اپنے برٹش ایکسنٹ میں بات کر رہا تھا۔امل نے سر کو نفی میں ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے کیفے کے اندر چلا گیا۔ویٹر کے جاتے ہی اس نے بلیک ٹی ہاتھ میں لی جس سے دھواں اٹھتا نظر آ رہا تھا۔چائے کا ایک گھونٹ لے کے اس نے کپ نیچے

رکھااورایک مرتبہ پھر کسی سوچ کے زیرِاثر وہ کھوئی کھوئی سی لگنے لگی۔اس بار اس کی سوچوں کی ڈور کسی غیر شناسا شخص کی آمد پہ ٹوٹی تھی۔

بلیک جینز پہ وائٹ شرٹ اور بلیک لیدر جیکٹ پہنے، آنکھوں پہ سیاہ چشمہ اور منہ کو مفلر سے ڈھانپے وہ شخص اس سے تھوڑے سے فاصلے پہ آ کھڑا ہوا۔اس کے قدموں کی چاپ نہیں تھی لیکن امل اس کی آمد کے بارے میں جان گئی۔آنکھوں کا رخ اپنے سے دور کھڑے شخص پہ ٹکا کر اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا جیسے اسے آگے آنے کا کہہ رہی ہو۔اس کے اشارے پہ وہ لڑکا خاموش چال چلتا اس طرف آیا تھا۔

"بیٹھو یہاں۔"امل کا اشارہ اپنے سامنے پڑی کرسی کی طرف تھا پر وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

“I said Sit down please.”

وہ اب کی بار بولی تو لڑکا خاموشی سے بیٹھ گیا۔دیکھنے میں وہ بائیس، تئیس کے قریب لگتا تھا۔

"میں یہاں بیٹھنے نہیں آیا ہوں۔" وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کے بولا۔اس کے بولنے سے پتہ لگ رہا تھا کہ اُردو اس کی اپنی زبان نہیں ہے۔اس کی آواز اس کی شخصیت کے برعکس کافی پر سکون اور ٹھنڈی تھی۔آنکھیں اپنے سامنے موجود لڑکی کو جانچ رہی تھیں۔

"میں جانتی ہوں۔" امل کے ہونٹ ایک طرف سے اوپر کو اٹھے۔انداز جتانے والا تھا۔لڑکے نے کوئی جواب نہ دیا۔وہ بس اسے پرکھ رہا تھا۔کسی پہیلی کی طرح۔

"میں نے تمہیں کال پہ ہی انکار کر دیا تھا کریسٹل، تو پھر یہاں بلانے کی وجہ؟" امل نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔

"میں نے تمہیں یہاں کسی ڈیل کے لئے نہیں بلایا ہے سکار۔" سکار کے چہرے پہ ہلکا سا تعجب ابھرا پر وہ اسے چھپا گیا۔

"پھر؟ تم کوئی نئی گیم تو نہیں کھیل رہی نا میرے ساتھ؟" وہ جتنا اس لڑکی کو جانتا تھا۔یہ تو واضح تھا کہ یہ لڑکی بغیر کسی وجہ کے کوئی کام نہیں کرتی تھی۔

"میں گیمز صرف جیتنے کے لئے کھیلتی ہوں سکار۔اور فلحال میرا کوئی موڈ نہیں جیتنے کا۔"انداز سے بے نیازی جھلک رہی تھی۔

"مجھے تم سے ایک فیور چاہیے۔"چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ کر وہ اپنے سامنے بیٹھے شخص کے علاوہ اور ہر جگہ دیکھ رہی تھی۔کسی کی آنکھوں میں دیکھ کر اس سے بات نہیں ہوتی تھی۔بہت سے راز تھے جن کے کھلنے کا ڈر اسے ستاتا رہتا تھا۔

"میں سن رہا ہوں۔"اس بار انداز میں ایک بے چینی سی گھل گئی۔کیا یہ وہ آخری کام تھا جو ان کے اس تعلق کو ختم کر دینے والا تھا؟

"جیسے ایک بار میں نے تمہیں کسی سے بچایا تھا۔اس بار میں چاہتی ہوں کہ تم میری مدد کرو۔"

"تمہیں کس سے بچنا ہے؟"وہ حیران ہوا۔

"ہے کوئی۔۔۔"اس کی آواز دھیمی تھی۔آنکھوں میں ایک انجانے سے خوف نے جگہ لے لی۔سکار اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ بھی کسی سے ڈرتی تھی؟انٹر سٹنگ۔۔

"تم میری مدد کرو گے یا نہیں سکار؟"

"یہ آخری بار ہو گی کریسٹل؟"وہ بتا رہا تھا یا سوال کر رہا تھا؟یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"اس کے بعد ہم دونوں کا تعلق ختم ہو جائے گا۔میں اس بات کو یقینی بناؤں گی۔"

سکار نے خاموشی سے سر ہلا دیا لیکن نجانے کیوں اُس کا دل بے چین ہونے لگا تھا۔

اور یہ آخری کام؟آخر کون تھا جس سے کریسٹل اتنا ڈر رہی تھی۔

☆☆☆

اُس کا دل آج کافی بوجھل سا تھا۔اور وجہ صرف ایک تھی۔بارش۔

دو دن سے ہوتی مسلسل بارش نے پورے شہر کو جیسے بھگو ڈالا تھا۔وہ بھی اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے بیٹھی اُسی بارش کو دیکھ رہی تھی۔آنکھیں یک ٹک کھڑکی پہ گرتی بوندوں پہ جمی تھیں۔آئرہ نے انگلی کی پوروں سے اُن ٹھہری ہوئی بوندوں کو چھوا جو اُس کے ہاتھ لگاتے ہی سہم جاتیں اور لڑکھراتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو جاتیں۔

انسانی زندگی بھی ایسی ہی ہوتی ہے نا؟ بارش کی ان بوندوں کی طرح۔بالکل ایسے ہی تو انسان بھی دنیا میں آتا ہے۔پھر اِن بوندوں کی طرح چھوٹی سی زندگی گزار کر زمین بوس ہو جاتا ہے۔

www.novelsclubb.com

"اف یہ بارش۔۔"آئرہ نے سر کھڑکی سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔بارش کی ٹپ ٹپ اُس کے دل کو ناگوار گزر رہی تھی۔ایک وقت تھا جب اُسے اِس بارش سے

عشق تھا اور اب۔۔اب یہ بارش محض اُسے اذیت پہنچانے کے لئے ہی ہوا کرتی تھی۔

"آئرہ، میرے موبائل کا چارجر دیکھا ہے تم نے؟" حلیمہ صداقت نے کمرے میں آتے ساتھ سوال کیا۔ آئرہ نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ اور پھر سر بہت دھیرے سے نفی میں ہلایا۔

"افو یہ چارجر کدھر چلا گیا ہے؟" وہ بول کر جانے کے لئے مڑی ہی تھیں کہ ایک پل کو ٹھہر گئیں۔ ان کی نظر بستر پہ موجود، کھڑکی کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی آئرہ پہ پڑیں جو انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ حلیمہ کا چہرہ پل بھر میں فکر کا شکار ہوا۔ وہ دو قدم آگے آئیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"آئرہ؟تم ٹھیک ہو نا میری جان؟" وہ اُس کے سامنے بیٹھ گئیں۔آئرہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں،اور اُن آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر رہی تھی۔آئرہ نے گردن نفی میں ہلائی۔

"کیا ہوا ہے بیٹا؟" حلیمہ کے سوال پہ آئرہ نے آگے ہو کر اپنا سر اُن کی گود میں رکھ دیا اور آنکھیں ایک مرتبہ پھر بند کر دیں۔

"میرے دل میں ایک عجیب سی بے سکونی ہے ماما۔مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میرے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" اسے جب کچھ پریشان کرتا تھا وہ ایسے ہی اپنی ماں کی گود میں سر رکھ کر اپنے دل کا حال بتا دیا کرتی تھی۔

"کیا تمہیں اِس بے سکونی کی وجہ معلوم ہے؟" انہوں نے بہت پیار سے اُس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"یہ تو بے وجہ ہے ماما۔"

"بے سکونی کبھی بھی بے وجہ نہیں ہوتی میری جان۔یہ تو ایک علامت ہے؟"

"علامت؟کس چیز کی علامت؟"آئرہ نے اُن کی گود میں رکھا سر سیدھا کر کے ماں کو دیکھا۔

"جب انسان اپنے خالق سے دور ہونے لگتا ہے نا تو اُس کا دل،دماغ اور روح بے سکونی کا شکار ہو جاتی ہے۔"

"خالق سے دوری کیا مطلب؟"

"مطلب جب اللہ کے حکم کی تعمیل کو کوئی شخص مسلسل رد کرتا رہے تو پھر یہ بے سکونی،اداسی،غصہ اور ایسے بہت سے منفی جذبات انسان کے وجود کا حصہ بن جاتے ہیں؟"

"پر اِس کا حل کیا ہے؟ مجھے وہ بتائیں۔" آئرہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ ہر کام جلدی کرنے والوں میں سے تھی۔ اُسے مسئلوں کی گہرائیوں تک نہیں جانا تھا۔ اُسے فوری حل تلاشنا تھا۔

"بے سکونی جیسے مرض کی سب سے اچھی دوا نماز اور قرآن ہے آئرہ۔" حلیمہ نے اُس کے گال پہ ہاتھ رکھا۔ "اِن دونوں چیزوں کو اگر زندگی کا حصہ بنالو تو زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔"

"پر نماز تو میں پڑھتی ہوں ماما۔" آئرہ جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنے مسئلے کا حل سن کر خوش ہوئی تھی یکدم اُس کا چہرہ بجھ گیا۔

"اور قرآن؟" حلیمہ کے اگلے سوال پہ بھی انہیں آئرہ سے کسی بہانے کی اُمید تھی پر آئرہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مڑوڑتے ہوئے اُس نے ماں کو دیکھا۔

"پتہ نہیں کیوں پر مجھے قرآن سمجھ نہیں آتا ماما۔" آواز میں ایک عجیب سی بے بسی تھی۔

"قرآن میں نہ سمجھ آنے والا کیا ہے؟" حلیمہ صحیح معنوں میں حیران ہوئی تھیں۔

"آپ نے نہیں دیکھا؟ اس میں ہر سورت ہر آیت میں ایک الگ داستان ہوتی ہے۔ کبھی مجھے وہ باتیں سمجھ آتی ہیں اور کبھی وہ میرے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔"

"تم نے کبھی قرآن کو دل کی آنکھ سے پڑھا؟" آئرہ نے نا سمجھی سے ماں کو دیکھا۔

"دل کی آنکھ؟" اسے بولنے میں ہی اتنا عجیب لگ رہا تھا۔ یہ دل کی آنکھ بھلا کیا چیز ہے؟

www.novelsclubb.com

"ہاں دل کی آنکھ۔ ہم زیادہ تر ظاہری چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن کچھ چیزیں ہوتی ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ وہ اِنہیں ظاہری چیزوں میں چھپی ہوتی ہیں جیسے کہ قرآن کی آیات کے پیچھے چھپے مطلب۔ ہر آیت ہر لفظ کی پیچھے بہت

سے معنی چھپے ہوتے ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے ہمیں دل کی آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے۔" حلیمہ کی بات نے آئرہ کو مزید الجھا دیا تھا اور یہ وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ کر سمجھ گئی تھیں، اسی لئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہوں نے اس بار آسان لفظوں میں سمجھانا شروع کیا۔

"دیکھو، ہمارے آس پاس بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جو انسانی آنکھ نہیں دیکھ پاتی اور اگر دیکھ لے تو اسے سمجھ نہیں سکتی۔ جس کی سب سے آسان مثال قرآن ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اللہ کی کوئی بات بے معنی نہیں ہوتی۔ اس کی ہر بات میں ڈھیروں مطلب چھپے ہوتے ہیں۔ ہمیں بس اس مطلب کو سمجھنا ہے۔ وہ سب دیکھنا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ وہ چیزیں جانتی ہیں جنہیں لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔" حلیمہ نے لمحے بھر کا توقف لیا۔ "تم قرآن کی کوئی بھی آیت کھول لو۔ اس میں جو ترجمہ دیا جاتا ہے وہ تو بس اس کے ظاہری مطلب کو دیکھ کر لکھا جاتا ہے لیکن اصل قرآن تو عربی سمجھ کر ہی تم جان سکو گی۔ اللہ نے جو لفظوں کا استعمال کیا ہوتا

ہے،ان کے بہت سے معنی نکلتے ہیں،اور جب تم ہر اس معنی کو سمجھو گی،ہر اس پہلو کو دیکھو گی تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ تمہیں قرآن سمجھ نہ آئے۔"ان کی بات مکمل ہوئی تو آئرہ کے ہاتھوں پہ گرفت مضبوط ہو گئی۔ماں کی بات اسے سمجھ تو آئی تھی پر کیا وہ واقعی قرآن کو اس طرح سے پڑھ سکتی تھی جیسے اس کی ماں بتا رہی تھی؟

اسے کشمکش میں مبتلا ہوتے دیکھ حلیمہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور الماری کی طرف بڑھ گئیں۔وہاں سے غلاف میں لپیٹا قرآن پاک اٹھائے وہ اگلے ہی پل اس کے سامنے تھیں۔

"یہ قرآن میں یہاں رکھ رہی ہوں آئرہ۔اب اپنی اِس بیماری کا علاج کرنا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔"انہوں نے قرآن سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا اور ایک آخری نظر اپنی بیٹی پہ ڈال کو وہ وہاں سے چلی گئی تھیں۔آئرہ مسلسل سامنے پڑے قرآن کو دیکھے جا رہی تھی۔اُس کا دل تھا وہ اٹھے اور اپنے مرض کی دوا تلاش کرے لیکن پھر اُس کے قدم الٹی سمت اُٹھ چلے تھے۔وہ کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔لیکن اب اسے کون

بتائے کہ قرآن کو ایسے نظر انداز کرنے والے کے دل کو اللہ کبھی سکون نہیں بخشتا۔

☆☆☆

اسلام آباد کا موسم بارشوں کے بعد یکدم ہی کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ ہواؤں میں پہلی کی سی گرمی اب نہیں رہی تھی بلکہ ہلکی سی خنکی گھل گئی تھی۔ اور شام کا موسم تو ویسے بھی بلاشبہ کافی حسین ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے میں اکثر وہ اپنے اپارٹمنٹ کے سامنے بنے فیملی پارک میں آ جاتا۔ اپارٹمنٹ کے کمرے کی گھٹن سے دور، اُسے یہاں آ کر کافی اچھا لگتا تھا۔ اُس برگد کے پیڑ کے پاس پڑے بنچ پہ وہ بہت دیر تک آس پاس کا جائزہ لیتا رہتا۔

آج بھی عام سا ٹراؤزر شرٹ پہنے، بینچ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ وہاں بیٹھا تھا۔ سورج طلوع ہونے میں بس اب تھوڑا سا ہی وقت رہتا تھا۔ آسمان نارنجی اور گلابی

رنگوں سے سجا تھا۔سفید بادل اس رنگ برنگے آسمان کی وجہ سے خود بھی گلابی لگنے لگے تھے۔ارحم کی نظریں دور تک پھیلے پارک کو تک رہی تھیں۔

وہ آرام سے ٹیک لگائے خاموشی کو محسوس کر رہا تھا۔چہرے کے تاثرات نرم تھے۔ بادامی آنکھوں کی چمک مانند پڑی تھی پر اب وہ اکثر ایسی ہی رہتی تھی۔اس نے اپنے چہرے کا رخ اوپر آسمان کی طرف کیا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

ارحم سے کچھ دور فاصلے پہ کوئی کھڑا تھا جس کی تمام تر توجہ بینچ پہ بیٹھے اس لڑکے کی طرف تھی۔وہ شخص وہاں کھڑا مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔وہ کتنا بڑا ہو گیا تھا۔اس آدمی کے چہرے پہ زخمی سی مسکراہٹ نے جگہ بنالی۔وہ پچھلے ایک ہفتے سے روز یہاں آتا تھا۔صرف اسے ایک نظر دیکھنے کے لئے۔لیکن آج۔۔۔آج اس نے سوچ لیا تھا کہ جسے دیکھنے کے لئے اس کی آنکھیں ترس گئی تھیں وہ اس سے آج مل کر ہی رہے گا۔اسے نجانے کیوں ایک اُمید تھی کہ وہ لڑکا اسے سنے گا اور یہی اُمید

لے کر اس نے اپنے قدم اس لڑکے کی جانب بڑھا دیئے۔ یہ جانے بغیر کے جس امید سے وہ وہاں جا رہا تھا۔ وہ امید بہت بری طرح ٹوٹنے والی تھی۔

ارحم نے اپنی طرف آتے قدموں کی آہٹ کو سنا تو آنکھیں کھول دیں اور چہرہ اس جانب موڑ دیا لیکن پھر۔۔۔ پھر وہ اگلا سانس تک لینا بھول گیا۔ اس کے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جس کا خیال بھی اسے نئے سرے سے اذیت میں ڈال دیتا۔ اُس کا باپ ہشام مرزا اپنے پورے خدوخال کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ گرے کلر کی شلوار قمیض پہنے، آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگائے وہ کس قدر مختلف نظر آ رہے تھے۔ ان کی گہری بھوری آنکھیں بنا پلک جھپکائے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

اس وقت جو شخص ارحم کے سامنے کھڑا تھا وہ اس کے باپ کی طرح لگتا ضرور تھا پر وہ کہیں سے بھی اس کا باپ نہیں تھا۔ پینٹ کوٹ کی جگہ شلوار قمیض، سن گلاسز کی

جگہ نظر کا چشمہ، کلین شیو کی جگہ داڑھی۔ جس چہرے سے جوانی کی رمق ٹپکتی تھی وہ نجانے کب بڑھاپے کی زد میں آ گیا تھا۔ارحم کو لگا وہ کسی اور کو دیکھ رہا ہے۔

"کیسے ہو ارحم بیٹا۔"

تین سال۔۔ تین سال تک اُس نے ہر لمحہ، ہر گھڑی اپنے باپ کی آواز اپنے کانوں میں گونجتی سنی تھی۔اُٹھتے بیٹھے سوتے جاگتے، ہر جگہ اُن آوازوں نے اُس کا پیچھا کیا تھا۔اور آج جب پورے تین سال بعد ارحم نے ایک مرتبہ پھر اپنے باپ کی آواز سنی تو اُسے کبھی کسی سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی۔

"زندہ ہوں۔"اس نے زہر خند لہجے میں جواب دیا۔ہشام مرزا کا دل کٹ کر رہ گیا۔انہیں اچانک ہی اپنی اُمید ٹوٹتی ہوئی نظر آنے لگی۔

"کیا ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟"نجانے کیوں انہوں نے ایسا سوال کیا تھا جس کا جواب وہ خود بھی جانتے تھے۔ان کا بیٹا ان کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہ رہا، وہ بات

بھلا کیوں کرے گا۔ارحم نے انہیں دیکھے بغیر وہاں سے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔ہشام مرزا نے فوراً اس کا بازو پکڑ لیا۔

"پلیز ارحم میری بات سن لو۔بس ایک بار۔"انہوں نے منت بھرے لہجے میں اسے پکارا۔ارحم لمحے بھر کو ٹھہر گیا۔اُس کی نظریں اپنے بازو سے ہو کر ہشام مرزا کے چہرے تک گئی۔وہاں دکھ تھا،ملال تھا لیکن ارحم کا دل شائد اب پتھر کا ہو چکا تھا۔

"اپنے باپ کو ایک بار بھی نہیں سنو گے تم کیا؟اتنا برا لگتا ہوں میں تمہیں؟"وہ کسی بچے کی طرح سوال کر رہے تھے۔ارحم نے پتھریلے تاثرات لئے ان بھوری آنکھوں میں دیکھ کر،ایک ایک ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"کیا آپ نے مجھے سنا تھا؟"ہشام مرزا کو لگا کسی نے انہیں زوردار تھپڑ دے مارا ہو۔ان کی گرفت اس کے بازو پہ ڈھیلی پڑی۔ارحم کہہ کر رکا نہیں،لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔اس کے ایک سوال نے ہشام کو کھڑے رہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔وہ

لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اُسی بینچ پہ بیٹھ گئے۔ان کے جسم سے جیسے جان نکل رہی تھی۔

یہ ان سے کیا ہو گیا تھا؟

☆☆☆

صبح اسد مرزا آفس کے لئے تیار ہو رہے تھے جب حماد ان کے کمرے میں آیا۔وہ ساری رات کا جاگا ہوا لگتا تھا۔سیاہ بال بکھرے ہوئے ماتھے تک آ رہے تھے۔ آنکھوں میں ہلکی سرخی واضح تھی۔انداز تھکا ہوا سا تھا۔وہ آتے ساتھ ان کے بستر پہ جا لیٹا تھا۔

www.novelsclubb.com

"حماد تم تیار نہیں ہوئے یونیورسٹی کے لئے؟"اسد مرزا نے کلائی میں گھڑی باندھتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں بابا۔" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے اب خود پہ پرفیوم چھڑک رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے؟ تم سوئے نہیں ٹھیک سے کیا؟" وہ چل کر اس کے پاس آ بیٹھے تھے۔

حماد نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں میں سو نہیں سکا۔" آواز سے بھی وہی تھکن جھلک رہی تھی جو اس کے چہرے پہ نظر آ رہی تھی۔ اسد مرزا اسے کچھ تشویشی انداز میں جانچ رہے تھے۔

"کیوں نہیں سو سکے تم؟ تمہیں کیا پریشان کر رہا ہے حماد؟" وہ اتنا تو جانتے تھے کے ان کا بیٹا کسی وجہ سے خاصہ ڈسٹرب ہے۔

"بابا کیا آپ کو۔۔۔ کیا آپ کو اُس کی فکر نہیں ہوتی؟" اس کا اشارہ ارحم کی طرف تھا۔ اسد مرزا ایک ٹھنڈی آہ بھرتے رہ گئے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ گفتگو کس طرف جا رہی تھی۔

"آپ جانتے ہیں نا کہ آخری بار جب وہ وہاں تھا تو اُس کی دماغی حالت پہ کیا اثر پڑا تھا؟" اسد مرزا نے کوئی جواب نہ دیا۔

"وہ وہاں اکیلا ہے اور اگر پھر اس کے ساتھ کچھ ہوا تو اس سب کا ذمہ دار کون ہو گا بابا؟" وہ اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کر رہا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا اُس کا باپ بھی ویسا ہی پریشان ہے جیسے وہ۔

"حماد وہ کوئی بچہ نہیں ہے۔ تم کیوں اتنا پریشان ہو رہے ہو۔ وہ خود کو سنبھالنا جانتا ہے۔" اسد نے اپنے بیٹے کی تسلی کروانی چاہی پر حماد سر نفی میں ہلانے لگا۔

"نہیں بابا آپ نہیں سمجھ رہے۔ میں نے دیکھا ہے اُسے۔ وہ بہت پریشان تھا جانے سے پہلے۔ بابا اسے۔۔" حماد نے اسد کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "بابا اُسے پھر سے وہم ہونے لگے ہیں۔ میں نے۔۔۔ میں نے خود دیکھا ہے۔" حماد کی نظروں کے سامنے وہ گراؤنڈ والا منظر ابھرا تھا۔ ارحم کا بارش کے بارے میں بات کرنا۔ اس کی آنکھوں کا وہ خوف۔۔۔

"حماد بیٹا تم کچھ زیادہ ہی ٹینشن لے رہے ہو۔" اسد مرزا کو تو جیسے اس کی باتوں پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ بھلا ارحم کو کیسے کچھ ہو سکتا ہے؟ انہوں نے خود اُس کے سیشنز کروائے تھے۔ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔

"نہیں بابا میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ کو پتہ ہے میں ٹھیک سے سو نہیں پاتا۔ مجھے نیند میں بھی اس کی وہ خراب ہوتی حالت نظر آتی ہے۔ بابا میں اپنے بھائی کو دوبارہ ویسے نہیں دیکھ سکتا۔" اس کی گرفت اسد مرزا کے ہاتھوں پہ بڑھتی جا رہی تھی۔

"تم بس اسے ضرورت سے زیادہ مِس کر رہے ہو حماد۔" انہوں نے اُس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا۔

www.novelsclubb.com

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے بابا۔" وہ ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آواز نہ چاہتے ہوئے بھی اونچی ہو گئی تھی۔ اسد مرزا اسے دیکھ کر رہ گئے۔ ان کے بیٹے کو ہو کیا گیا تھا؟

"میں نے اُسے ایک بار پہلے اکیلا چھوڑا تھا بابا۔ میں دوبارہ یہ نہیں کر سکتا۔" وہ بے بسی سے ان کے قدموں میں جا گرا۔

"تم کیا چاہتے ہو حماد۔" اسد مرزا نے تنگ آ کر پوچھا۔

"مجھے اُس کے پاس بھیج دیں بابا۔۔۔ پلیز بابا۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے ہو گا تو مجھے تسلی رہے گی۔ ورنہ اُس کا خیال مجھے ہر وقت ستاتا رہے گا۔"

"تم کیسی بات کر رہے ہو حماد۔" اسد مرزا نے بے یقینی کے عالم میں اپنے بیٹے کو دیکھا جو اسی طرح ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں بس منت تھی۔

www.novelsclubb.com

"پلیز بابا۔ میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا میں ہمیشہ اُس کے ساتھ رہوں گا۔ وہ بھائی ہے میرا۔ اُس کی فکر مجھے سکون سے نہیں رہنے دے گی۔ وہ میرا فون نہ اُٹھائے تو عجیب و غریب وہمے آنے لگتے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے بار بار آج سے تین سال پہلے والا ارحم گھومنا شروع ہو جاتا ہے۔ میں اُس کی وہ حالت دوبارہ نہیں دیکھ سکتا۔

آپ پلیز مجھے اُس کے پاس بھیج دیں بابا۔" وہ کسی بچے کی طرح اپنے باپ کی منت کر رہا تھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو حماد۔ میں نے اپنا ایک بیٹا خود سے دور بھیجا ہے اور اب تم چاہتے ہو میں تمہیں بھی ساتھ بھیج دوں؟ اگر تمہیں اتنی ہی یاد آ رہی ہے ارحم کی تو ہم کچھ دنوں تک جا کر اس سے مل آئیں گے لیکن میں تمہیں وہاں نہیں بھیج رہا۔ دا ٹس اِٹ۔" انہوں نے اپنا فیصلا سنا دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور اپنا کوٹ ہاتھوں میں لئے باہر کو چل دیئے۔

حماد اسی طرح گھٹنوں کے بل وہاں بیٹھے اپنے باپ کے جاتے وجود کو دیکھتا رہا اور جب دروازہ بند ہو گیا تو اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ اب وہ ارحم سے کیا گیا اپنا وعدہ کیسے پورا کرے گا؟ کیا ایک بار پھر وہ ارحم کو اکیلا چھوڑنے والا تھا؟

☆☆☆

وہ ایک بار پھر اُس گلی میں کھڑا تھا۔رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔بارش کی بوندیں اُس کے پورے وجود کو بھگو چکی تھیں۔سٹریٹ لائٹ کی روشنی اسی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔لیکن اس بار اُس کے ہاتھوں میں پھولوں کا کوئی گلدستہ نہیں تھا بلکہ ایک سرخ رنگ کا چھوٹا سا رومال تھا جس کے اوپر سنہرے حروف سے اُس کا نام لکھا تھا۔ارحم اپنی جگہ جامد تھا۔اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ رومال اپنے چہرے کے قریب کیا۔اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔سینے میں ایک عجیب سا درد اٹھا تھا۔اُسی وقت کہیں دور سے اُسے ایک گاڑی کی آواز سنائی دی۔اچانک اس کی نظریں اپنے سامنے موجود اُس بڑے سے روڈ پہ گئی جہاں آج پھر وہ وجود کھڑا تھا۔ارحم کا دل جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں لے کر دبایا ہو۔اس کے دل سے خون رسنے لگا تھا۔درد بہت شدید تھا۔آنکھوں کے سامنے کا منظر آنسوؤں کے باعث دھندلانے لگا۔ارحم نے بمشکل ایک قدم آگے بڑھانا چاہا پر وہ ہمیشہ کی طرح کسی برف کے مجسمے کی مانند ہل ہی نہ سکا۔گرفت اُس رومال پہ مضبوط ہو گئی۔

گاڑی کی آواز قریب آتی محسوس ہوئی تواُس نے اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہیں پر بے سود۔وہ اُسی طرح وہاں کھڑے کھڑے کسی تماشائی کی طرح سب دیکھنے والا تھا۔وہ سب جو پچھلے کافی سال سے دیکھتا آیا تھا۔ارحم جانتا تھا کہ یہ ایک خواب ہے پر پھر بھی درد کی شدت اتنی اصلی تھی کہ وہ سانس بھی مشکل سے لے رہا تھا۔کچھ ہی لمحوں میں وہ گاڑی تیز رفتاری سے اُس وجود سے ٹکرائی تھی۔وہی دل دہلا دینے والی چیخ اُس کے کانوں میں پڑی۔

اگلے ہی پل وہ صوفے پہ اٹھ بیٹھا تھا۔جسم پسینے سے تر تھا۔آنکھیں وحشتی انداز میں کھلی ہوئی تھیں۔لمبے لمبے سانس لیتا وہ اپنا پھولا ہوا تنفس بحال کر رہا تھا۔دایاں ہاتھ ماتھے تک لے جا کر اُس نے بال پیشانی سے ہٹائے تھے۔کمر میں اچانک ہی درد کی ایک لہر اٹھی تھی۔وہ کراہا۔صوفے میں سونے کی وجہ سے اس کا جسم اکڑ گیا تھا۔ارحم سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔پتہ نہیں وہ کب یہاں سویا تھا۔ذہن کے کسی گوشے میں کل شام کا منظر ایک بار پھر چلنے لگا۔ہشام مرزا سے اُس کی ملاقات۔ارحم نے کرب

سے آنکھیں میچ لیں۔ سینے میں وہی پہلے والا درد ہونے لگا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ کمرہ اُس وقت کھڑکی سے آتی روشنی سے نہایا ہوا تھا۔ ارحم نے وقت دیکھا تو دن کے دو بج رہے تھے۔ وہ سیدھا واش روم چلا گیا۔ فریش ہو کر نکلا تو اُس کا موبائل بجنے لگا تھا۔

"میں اگلے دس منٹ میں تجھے لینے آرہا ہوں فوراً سے تیار ہو جا۔" شاہ میر نے جلدی سے کہہ کر لائن کاٹ دی۔ ارحم کچھ جز بز سا ہو گیا۔

"اِسے کیا ہوا؟" وہ سر جھٹکتا الماری کی طرف چلا آیا۔ اپنے پہننے کے لئے پینٹ شرٹ نکال کر وہ اگلے دس منٹ میں تیار ہو چکا تھا۔ اور اپنی بات کے مطابق شاہ میر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس کے فلیٹ کا دروازہ اپنے پاس موجود سپیئر کی سے کھول کر وہ اندر آیا۔

"کیا ہے یار شامی اس وقت کہاں جانا ہے؟" ارحم کچن کاونٹر کے پاس کھڑا پانی گلاس میں انڈیلنے لگا۔ ساتھ ہی اپنی طرف آتے شاہ میر کو بھی دیکھ رہا تھا جو وائٹ جینز پہ لائٹ بلو کلر کی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔

"یار وہ آج بھائی کو سکول سے لینے جانا ہے اور میں اکیلے نہیں جا رہا۔ اس لئے تو بھی ساتھ چل۔" وہ ارحم سے پہلے پانی کا گلاس اُس کے سامنے سے اُٹھاتے ہوئے بولا۔ ارحم نے ایک سخت نگاہ اُس پے ڈالی جو ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گیا۔

"تیرا بھائی ہے۔ تو میں کیوں جاؤں تیرے ساتھ؟" وہ ایک بار پھر گلاس میں پانی ڈالنے لگا اور اس بار شاہ میر کے کچھ کرنے سے پہلے فوراً ہی پانی پی گیا۔

"یار چل بھی۔ تو گھر میں اکیلا کیا کرے گا؟ آج تو کلاسز بھی نہیں تھی یونی کی۔" وہ اس کا بازو تھام کر اسے گھسیٹتا ہوا کچن کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹانے لگا۔ ارحم بنا کسی مزاحمت کے اُس کے ساتھ ہو لیا۔ گھر میں اکیلا بور تو اُس نے ہونا ہی تھا۔ بہتر ہے وہ شامی کے ساتھ ہی چلا جائے۔

کچھ ہی دیر میں دونوں شاہ میر کی گاڑی میں اُس کے بھائی کو لینے کے لئے نکل گئے تھے۔

☆☆☆

"یار سمیر چھٹی تو کب کی ہو گئی ہے۔تو نے کہا تھا کہ آج تیرا بھائی تجھے لینے آئے گا۔"ھادی اپنے دوست سمیر فرقان کے ہمراہ چلتے ہوئے بولا جو اُس کا کلاس فیلو بھی تھا۔بھورے بال اور سنہری آنکھوں والا وہ بچہ بالکل شاہ میر کی طرح لگتا تھا۔ انہیں دیکھ کر کوئی بھی ایک نظر میں پہچان جائے کہ دونوں بھائی ہیں۔

"ارے بولا تو تھا بھائی کو کہ آج آپ لینے آنا۔آتے ہی ہوں گے وہ۔"سمیر نے اُسے تسلی دی۔وہ جانتا تھا کہ ھادی اُس کے بھائی کو کتنا پسند کرتا ہے اور آج بالآخر اُس نے اُس نے اپنے بھائی کو آنے کے لئے منا لیا تھا۔آج تو اس کی کوئی کلاسز بھی نہیں تھی تو شاہ میر کو مجبوراً بھائی کی ضد ماننی پڑی۔

"پر ہم کب سے ویٹ کر رہے ہیں۔اب تو مجھے بھی لینے آنے والے ہوں گے بابا۔" وہ بیچارا کتنی دیر سے اپنے شامی بھائی کی راہ تک رہا تھا۔دونوں اِس وقت سکول گیٹ سے کافی فاصلے پہ کھڑے تھے جہاں بچوں کا رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ سمیر ابھی مزید اُسے کچھ کہنے ہی والا تھا کے اُن کے بالکل سامنے ایک سفید رنگ کی گاڑی آ رکی تھی۔ سمیر کی آنکھیں ایک دم سے چمک اٹھیں۔

"آ گیا بھائی!" اس کی بات پہ ھادی نے فوراً گردن موڑ کے سامنے نظر آتی گاڑی کو دیکھا تھا جہاں سے دو لوگ باہر نکلے تھے۔اُن میں سے ایک کو تو وہ ایک ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ سفید رنگ کی پینٹ پہ لائٹ بلو کلر کی ٹی شرٹ پہنے۔لمبے گھنگریالے بالوں والا وہ دراز قد لڑکا مسکراتا ہوا اُن کی طرف آ رہا تھا۔ھادی نے اُس کے ساتھ ایک دوسرے لڑکے کو بھی دیکھا تھا۔بلیک پینٹ پہ براؤن کلر کی ٹی شرٹ پہنے، اپنے لمبے بھورے بالوں کو ماتھے پہ سجائے، بادامی آنکھوں میں ڈھیروں سنجیدگی لئے وہ بھی اُن کی طرف ہی آ رہا تھا۔

"مجھے دیر تو نہیں ہو گئی؟" شاہ میر نے سمیر کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا جو مصنوعی خفگی لئے اپنے بھائی کو دیکھ رہا تھا۔

"پورے بیس منٹ پہلے چھٹی ہوئی تھی ہمیں۔ اتنا وقت تو نہیں لگتا یہاں آنے میں؟" وہ تیور چڑھائے کھڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر شاہ میر مسکرا کر رہ گیا۔

"سوری یار۔ اب تمہیں تو پتہ ہے اتنا بزی ہوتا ہوں میں۔" شامی نے کندھے اچکائے۔ ساتھ ہی اُس نے سمیر کے برابر کھڑے لڑکے کو دیکھا جو بڑی بڑی آنکھیں کھولے اُسے دیکھ ہی رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" شامی کے استفسار پر سمیر کی نظر بھی اپنے دوست پہ پڑی۔ وہ ھادی کو ایسے بت بنا کھڑا دیکھ ہنس پڑا۔

"یہ میرا دوست ہے ھادی۔" سمیر نے اُسے ہلکا سا کندھا مارا تو وہ جیسے کسی خواب سے باہر آیا۔

"شامی بھائی۔"اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیسے ہو چھوٹے دوست۔"شامی نے اُس کے سامنے ہاتھ بڑھایا تو ھادی نے فوراً سے اُس کا ہاتھ جھپٹ لیا۔

"میں آپ کا بہت بڑا فین ہوں شامی بھائی۔"وہ ایک دم سے پر جوش نظر آنے لگا تھا۔شاہ میر اس بار دل کھول کر ہنسا تھا۔

"ارے پھر تو مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ھادی۔"

وہ چاروں باقی بچوں سے کافی فاصلے پہ کھڑے تھے۔سمیر جانتا تھا کہ اگر اُس کا بھائی سب کے سامنے گیا تو اُس کی کلاس کے بچے اور باقی بھی بہت سے سٹوڈنٹس اُس کے بھائی کو گھیر لیں گے۔

"بڑی بات ہے شامی۔تیرے تو فینز بھی ہیں۔"ارحم نے پیچھے سے مسکرا کر اپنے دوست کو کہا۔

"بس دیکھ لے۔ تیرے بھائی کے چار مز ہیں۔" شامی نے ایک ادا سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"شامی بھائی آپ رئیل لائف میں بھی کتنے ہینڈسم ہیں! اور تو اور میں آپ سے بہت انسپائر ہوں۔" ھادی اب اپنے شاک کے فیز سے باہر آ گیا تھا تو اپنے فیورٹ انفلیونسر کو سراہے بنا نہ رہ سکا۔

"تھینک یو چھوٹے دوست۔ مجھے سن کے بہت اچھا لگا۔" شامی اپنے ازلی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اُس کی سنہری آنکھیں دھوپ کے باعث چمک رہی تھی۔

"اچھا چلیں بھائی۔ اب ویسے بھی بہت دیر ہو گئی ہے۔" سمیر نے اچانک ہی وقت دیکھ کر بھائی کو آگاہ کیا تو شاہ میر نے محض سر ہلانے پے اکتفا کیا۔

"تم کیسے جاؤ گے چھوٹے دوست؟" شاہ میر نے کچھ سوچتے ہوئے ھادی سے پوچھا۔

"میرے بابا آئیں گے تو ان کے ساتھ ہی جاؤں گا۔"

"تو کوئی نہیں ہم چھوڑ دیتے ہیں۔" سمیر کو بھی بھائی کا مشورہ پسند آیا۔ "ہاں ھادی تم ہمارے ساتھ ہی آ جاؤ۔"

"نہیں یار بابا آئیں اور میں یہاں نہ ہوا تو وہ پریشان ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں بتایا بھی تو نہیں۔" اُس کا جتنا دل تھا اُن لوگوں کے ساتھ جانے کا وہ اتنا ہی مجبور تھا۔

"چلو پھر جب تک تمہیں لینے نہیں آ جاتے ہم تمہارے ساتھ انتظار کر لیتے ہیں۔" سمیر نے اپنے دوست کا بجھتا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا۔ شاہ میر اُس کی پیشکش پہ خاصا حیران ہوا تھا۔ گھر جانے کی سب سے زیادہ جلدی تو اسے ہی تھی۔

ھادی اُس کی بات پہ ایک بار پھر پر جوش سا ہو گیا اور وہ چاروں وہیں کھڑے باتوں میں لگ گئے۔ سب سے زیادہ باتیں کرنے والا ھادی ہی تھا۔ وہ تو ابھی بھی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ اُس کے سامنے کھڑا شخص شاہ میر فرقان ہے۔ اُس کا شامی بھائی۔

"آئرہ میں ادھر سے گاڑی ٹرن کرتا ہوں تم تب تک اندر جا کر ھادی کو بلا لاؤ۔"
سلیم ملک نے گاڑی روک کر اپنے ساتھ بیٹھی آئرہ کو کہا تھا جو کالج کے یونیفارم میں تھی۔ بالوں کی اونچی پونی بنائے جواب کافی ڈھیلی ہو گئی تھی۔اُس نے باپ کی بات پہ سر ہلایا اور باہر نکلنے لگی لیکن پھر ایک دم سے رک کر سلیم ملک کو دیکھا۔

"بابا آپ کے پاس کوئی ماسک ہو گا جو میں پہن سکوں؟ میرا آج گھر رہ گیا ہے اور باہر بہت ڈسٹ ہے۔" اسے ڈسٹ الرجی تھی جس وجہ سے وہ اکثر باہر نکلنے سے پہلے ماسک پہن کر جایا کرتی تھی پر آج جلدی جلدی میں اُس کا ماسک گھر ہی رہ گیا تھا۔اور اُسے تب تک خیال نہیں آیا جب تک وہ گھر سے کافی دور نہ آ گئی۔

"نہیں بیٹا میرے پاس تو کوئی ماسک نہیں ہے۔آپ جلدی جلدی سے ہو آؤ۔میں گاڑی ریورس کر لوں گا تب تک۔ھادی کہیں باہر ہی کھڑا ہو گا۔" انہوں نے کہا تو آئرہ خاموشی سے گاڑی سے باہر نکل آئی۔دھول اور مٹی سے بچنے کے لئے اس نے

ہاتھ منہ کے سامنے رکھ لیا تھا تاکہ ڈسٹ ناک کے ذریعے اندر نہ چلی جائے۔اُس کے نکلتے ہی سلیم ملک گاڑی ریورس کرنے لگے تھے اور وہ سکول کے مین گیٹ کی طرف بڑھ گئ۔وہ جانتی تھی کہ ھادی کہاں ملے گا اس لئے سیدھا اُس طرف چلی آئی۔

تھوڑے سے ہی فاصلے پہ اسے ھادی کھڑا نظر آیا تھا اور ساتھ ہی سمیر بھی لیکن آج ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔آئرہ ٹھیک سے انہیں دیکھ نہیں سکی کیونکہ اُن کی پشت آئرہ کی طرف تھی۔

"ھادی!!"وہ دور سے اُسے آواز دیتی اُس طرف آئی تھی۔آئرہ کی آواز پہ ان چاروں نے آواز کی سمت دیکھا۔ھادی اسے دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا تھا۔

"آئرہ!!یہ دیکھو!!"وہ اُس کے پاس پہنچی تو ھادی نے اس کا منہ پہ رکھا ہاتھ پکڑ کر شاہ میر کی طرف اشارہ کیا۔"یہ دیکھو شامی بھائی آئے ہیں۔"آئرہ کی نظریں ھادی سے ہوتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے شاہ میر کی طرف اٹھیں جو آنکھیں پھیلائے

حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔اُسے دیکھ کر لمحے بھر کو وہ بھی حیران ہوئی تھی۔یہ یہاں کیسے؟

"شاہ میر بھائی سمیر کو لینے آئے ہیں۔"ھادی نے جیسے اس کا دماغ پڑھ لیا ہو۔آئرہ کی نظریں پھر شاہ میر سے ہو کر اُس کے پیچھے کھڑے شخص پہ پڑیں۔وہی بادامی آنکھیں آج بھی اسے دیکھ رہی تھیں۔بنا پلک جھپکائے۔آئرہ نے نظریں پھیر لیں۔

"آپ؟"شاہ میر کچھ دیر بعد بولا۔ابھی آئرہ کوئی جواب دیتی،ھادی پہلے ہی بول پڑا۔

"یہ میری بہن ہے آئرہ۔اور آئرہ یہ۔۔"

"میں جانتی ہوں ھادی۔"آئرہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیسی ہیں آپ؟"شاہ میر نے شائستگی سے سوال کیا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"اسے وہاں کھڑا رہنا بہت غیر آرام دہ کر رہا تھا۔ایسے لڑکوں کے ہجوم میں وہ اکیلی لڑکی۔آئرہ نے ھادی کی طرف دیکھ کر اُسے چلنے کا اشارہ کیا۔

"ھادی آؤ باباویٹ کر رہے ہوں گے۔"اُس کا ہاتھ پکڑ کر وہ چلنے کے لئے آگے بڑھی ہی تھی کہ ایک گاڑی تیزی سے اُس کے پاس سے گزری۔گاری سے اٹھتا دھواں اُس کے حلق تک پہنچ گیا۔بے اختیار اُس نے کھانسنا شروع کر دیا۔کھانسی بھی اتنی شدید کہ اُسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔

اُسے کھانستا دیکھ کر ارحم فوراً سے شاہ میر کی گاڑی کی طرف لپکا۔اندر سے پانی کی ایک چھوٹی سی بوتل نکال کر وہ اس کی طرف آیا تھا۔بوتل آگے بڑھائی تو آئرہ نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔اُس کی بادامی آنکھیں کچھ پریشان سی اُسے دیکھ رہی تھیں۔آئرہ نے اکھڑتے سانسوں کے بیچ اُس کے ہاتھ سے بوتل پکڑی۔ایک گھونٹ بھرا اور پھر ایک لمبی سانس اندر کھینچ کر بوتل اسے واپس تھما دی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" شاہ میر نے اُس کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر سوال کیا۔ وہ ابھی بھی ہلکا پھلکا کھانس رہی تھی اِس لئے بمشکل سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"چلو ھادی۔" منہ پہ ایک بار پھر ہاتھ رکھ کر وہ اب ھادی کو کھینچنے لگی جو اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں رہا تھا۔

"اچھا شامی بھائی۔ اوکے ارحم بھائی۔ اللہ حافظ۔" اس نے دونوں کے ساتھ ہاتھ ملایا اور پھر اپنی بہن کے ساتھ چل پڑا۔ آئرہ نے چلتے ہوئے ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا جہاں شاہ میر اور سمیر گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے پر وہ ایک شخص اُسے یک ٹک جاتا دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کی تپش نے آئرہ کو ایک بار پھر چہرہ موڑنے پہ مجبور کر دیا۔ نجانے وہ کیوں اسے اتنی شدت سے دیکھتا تھا۔

☆☆☆

وہ سردیوں کی ایک خوبصورت شام تھی۔ ڈھلتے سورج کی کرنیں پورے آسمان میں پھیلی تھیں۔ تیز ہواؤں کے باعث درختوں کی شاخیں جھوم اٹھی تھیں۔

پرندوں کے جھنڈ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔اور اِس سب میں وہ بھی تھی۔ سلیم ملک کا ہاتھ تھامے اپنے گھر کا گیٹ عبور کرتی ہوئی وہ گیارہ سال کی چھوٹی سی آئرہ۔

"بابا ہم واپسی پہ آئس کریم تو لیں گے نا؟"اس نے اپنی وہ بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر باپ کو دیکھا۔

"ہاں بیٹا کیوں نہیں۔"وہ دونوں اب فٹپاتھ پہ چلتے ہوئے جا رہے تھے جب کسی احساس کے تحت سلیم ملک رک گئے۔پھر ہاتھ اپنی بائیں جیب میں ڈالا۔ان کے ماتھے پہ شکن ابھری۔

www.novelsclubb.com

"آئرہ میری جان آپ یہاں رکو میں اندر سے اپنا فون لے کر آتا ہوں اچھا؟ یہاں سے کہیں جانا نہیں۔"کہہ کر وہ اسے وہیں چھوڑ کر تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف بڑھ گئے۔آئرہ کچھ لمحے وہاں خاموشی سے کھڑی آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔لیکن اچانک ہی اس کے پاس سے ایک گاڑی بہت تیز رفتاری سے

گزری تھی جس کے باعث دھول اس کی طرف آئی تھی۔اچانک ہی وہ وہاں کھڑے زور زور سے کھانسنے لگی تھی۔ کھانستے ہوئے اسے اپنا گلہ بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

"یہ لیں۔"اگلے ہی پل اسے اپنی کمر پہ کسی کا لمس محسوس ہوا جیسے کوئی بہت آرام سے اس کی کمر کو سہلا رہا ہو۔ پھر کسی نے اسے پانی کی بوتل تھمائی۔آئرہ کی آنکھیں آنسوؤں کی وجہ سے دھندلا گئی تھیں اس لئے وہ ٹھیک سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔اس سے پانی کی بوتل لیتے ہوئے آئرہ نے فوراً پانی کے دو تین گھونٹ پیئے اور اپنا تنفس بحال کیا۔

www.novelsclubb.com

"تھینک یو۔"جب وہ بولنے اور دیکھنے کے قابل ہوئی تو اس نے اپنی دائیں طرف دیکھا۔وہاں ایک لڑکی کھڑی تھی جو اس کے سامنے جھکی ہوئی تھی۔وہ فکر مند سی اسے دیکھ رہی تھی۔دیکھنے میں آئرہ کو اپنی ہم عمر لگی تھی۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟"اس نے سوال کیا۔

"جی۔"آئرہ نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تمہیں کیا ہوا تھا؟"لڑکی کے سوال پہ آئرہ پوری طرح سے اس کی طرف گھومی۔

"کچھ نہیں بس مجھے ڈسٹ الرجی ہے۔"وہ کہہ کر اب گھر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

یہ بابا کہاں رہ گئے تھے؟

"یہ پانی کی بوتل تم رکھ لو۔مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"اس لڑکی نے ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے وہ بوتل کی۔

"شکریہ۔"آئرہ پہلی بار مسکرائی۔

www.novelsclubb.com

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"آئرہ سلیم۔اور تمہارا؟

"ایمل۔۔۔ایمل ہشام مرزا۔"اس پیاری سی لڑکی نے مسکرا کر ہاتھ آگے بڑھایا۔

اُس نے یکدم آنکھیں کھول دیں۔بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ وہاں کب اور کیسے سوئی تھی اسے کچھ یاد نہ تھا۔یاد تھا تو صرف وہ خواب جو ابھی اس نے دیکھا تھا۔

"اف۔۔"اپنی جگہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے اس کے سر میں پھر سے درد اٹھا تھا۔ یہ مائیگرین ہر بار اس کے ان خوابوں کے ساتھ کیوں شروع ہو جاتا تھا؟اپنے دائیں ہاتھ سے سر کو ہلکا سا دباتے ہوئے آس پاس کمرے میں نظریں دہرائیں۔باہر اندھیرا ہو چکا تھا،مطلب مغرب کا وقت گزر گیا تھا۔ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ اُس کے پاس پڑا فون اچانک بج پڑا۔

"ہاں ملی کیسی ہو؟"آئرہ نے بستر سے اترتے ہوئے کہا۔ایک ہاتھ میں فون پکڑے وہ دوسرے ہاتھ سے اپنا بیڈ سیٹ کرنے لگی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں شہزادی صاحبہ آپ سنائیں؟کیا حال چال ہے؟"دوسری طرف سے ملیشا کی پرجوش آواز نے آئرہ کا آدھا سر درد خود ہی ٹھیک کر دیا تھا۔

"اب ٹھیک ہوں۔"آئرہ مسکرائی۔"تم بتاؤ مجھے ایسے کیسے یاد کر لیا؟"

"بس آپ کا خیال آیا تو سوچا پوچھ لیں کیا حالات ہیں۔"

"حالات فٹ۔بس ابھی سو کر اٹھی تھی۔"وہ اب بیڈ پہ ایک مرتبہ پھر بیٹھ گئی تھی۔ملیشا اس سے یہاں وہاں کی بات کرنے لگی لیکن تمام گفتگو کے دوران اس نے محسوس کیا تھا کہ آئرہ کچھ خاموش خاموش ہے۔ایسے جیسے وہ الجھی ہوئی ہو۔

"تم نے سر طاہر کی اسائنمنٹ کر لی تھی جو اس جمعہ کو دینی ہے؟"ملیشا نے کالج کا ذکر چھیڑا پر آئرہ نے فوری کوئی جواب نہ دیا۔وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔کسی غیر مرئی نقطے کو۔

"آئرہ؟"ملیشا نے اس بار ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"کیا بول رہی تھی تم؟"آئرہ کا سکتہ ٹوٹا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں آئرہ؟کیا پریشان کر رہا ہے تمہیں؟"ملیشا کو اس کی چپ کھٹکی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔"آئرہ نے اسے مزید تفشیش کرنے سے روکنا چاہا لیکن وہ کسی کی سننے والی کہاں تھی۔

"مجھے اگلے دو سیکنڈ کے اندر اندر بتاؤ کہ کیا ہوا ہے اور یہ کچھ نہیں والا ڈرامہ میرے ساتھ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"ملیشا کافی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

آئرہ کچھ پل خاموش رہی اور پھر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ہاتھ نا محسوس انداز میں ڈریسنگ ٹیبل کے بالکل آخری دراز تک گیا تھا۔

"ملی۔۔۔"اس کی آواز میں دکھ تھا اور ملیشا فوراً ہی جان گئی تھی کہ ماجرہ کیا ہے۔وہ اپنی دوست کو بہت اچھے سے جانتی تھی۔اس کے ہر انداز سے واقف تھی۔

"یہ جو لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں،وہ کیوں اپنے ساتھ اپنی یادیں نہیں لے کر جاتے؟کیوں وہ ہمارے وجود کو کھوکھلا کر جاتے ہیں؟بے شک کبھی وہ یادیں ہماری خوشی کی وجہ تھیں لیکن ان کے بعد جو خالی پن ہمارے دل پہ قبضہ کر بیٹھتا ہے۔اس کا کیا؟"اُس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔اس نے ہاتھ میں ایک کارڈ پکڑا

تھا۔اس کارڈ میں اس کا نام بولڈ لیٹرز میں لکھا تھا لیکن ساتھ ایک اور نام بھی تھا۔ ایمل ہشام مرزا کا جس کے نیچے دو لڑکیوں کی تصویر تھی۔ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔

"آئرہ۔۔۔"ملیشا سے اُس کی یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی تھی۔آئرہ اُسے سب سے زیادہ عزیز تھی۔لیکن وہ چاہ کر بھی آئرہ کا یہ غم دور نہیں کر سکتی تھی۔

"آئرہ میری جان یہی تو اللہ کا نظام ہے۔وہ اپنے بندے کی خاص چیزوں اور اس کے خاص لوگوں سے ہی تو اسے آزماتا ہے۔"ملیشا نے اُسے سمجھانے والا انداز اپنا لیا۔

"پر ملی اللہ کیوں ہمیں آزماتا ہے؟لوگ تو کہتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے تو پھر کیا جن سے محبت کی جائے ان کو آزمانا چاہیئے؟"ملیشا کو ایسے ہی کسی سوال کی توقع تھی۔آئرہ اُس سے اکثر ایسی باتیں پوچھتی رہتی تھی جن کا جواب دیتے دیتے وہ نہ تھکے۔

"اللہ ہمیں تب آزماتا ہے جب وہ جاننا چاہتا ہے کہ کیا میرا بندہ بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنا میں اُس سے؟ یہ جو میں اپنے بندے کو ڈھیر ساری چیزوں سے نوازتا ہوں، اگر چہ ان میں سے کچھ لے لوں یا نہ دوں تو کیا وہ صبر کرے گا یا شکایت؟"

"اور اگر بندہ شکایت کرے پھر؟" آئرہ نے اب تصویر کو واپس دراز میں رکھ دیا تھا۔ آواز کا بوجھل پن کم ہوا تھا پر ختم نہیں۔

"تو وہ اُسے مزید آزماتا ہے یہاں تک کے بندے کو احساس ہو جائے کہ اللہ ہی ہے اسے نوازنے والا اور اللہ ہی ہے اسے آزمانے والا۔" ملیشا کی پیاری آواز اُس کے کانوں میں گونجنے لگی تھی۔

"اللہ ہی ہے نوازنے والا اور اللہ ہی ہے آزمانے والا۔"

آئرہ نے نظریں اٹھا کر خود کو ایک نظر شیشے میں دیکھا۔ اللہ نے اسے آزمایا بھی تھا اور نوازا بھی لیکن وہ کیا کر رہی تھی؟ شکایت یا صبر؟

"تم صبر کرنا سیکھو آئرہ، آزمائشیں خود بخود آسان ہو جائیں گی۔اور اس کا اجر تمہیں دنیا میں ملے یا نہ ملے آخرت میں ضرور ملے گا۔"ملیشا کی بات پہ آئرہ کی زبان سے ایک اور سوال پھسلا۔

"تمہیں اتنا یقین کیسے ہے ملی کہ اللہ مجھے آخرت میں اُس کا اجر دے گا؟"

"کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟"

"اللہ نے خود قرآن میں کہا ہے کہ میں صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دوں گا۔ تو تم خود سوچو آئرہ کے اللہ نے صبر کرنے والوں کے اجر پر کوئی حد ہی مقرر نہیں کی ہے۔"وہ اس انداز میں بات کر رہی تھی کہ آئرہ بس سنے گئی۔اسے کہیں حلیمہ کے ساتھ کی گئی بات یاد آئی تھی۔

"ملی۔۔۔کیا تمہیں قرآن سمجھ آتا ہے؟"اُس کا سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ ملیشا کو چپ لگ گئی۔آئرہ سمجھی شاید اُس نے ٹھیک سے سنا نہیں تو اپنا سوال ایک بار پھر دہرانے لگی۔

"تمہیں قرآن کی سمجھ آتی ہے کیاملیشا؟"آئرہ نے اُس کا پورا نام لیا تو اُسے کچھ عجیب لگا۔ملیشا کو بالکل عادت نہیں رہی تھی آئرہ کے منہ سے اُس کا پورا نام سننے کی۔

"مجھے قرآن کی ہی تو سمجھ آتی ہے۔وہی تو ایک ایسی کتاب ہے جس میں میرے اللہ نے سب کچھ صاف صاف بیان کیا ہے۔"

"پر پھر میں کیوں نہیں سمجھ پاتی قرآن کو؟"اُسے اب نیا دکھ لگا تھا۔

"کیا تم نے اُسے سمجھنے کی کوشش کی ہے آئرہ؟"ملیشا نے کچھ ایسے انداز میں سوال کیا کہ آئرہ دم بخود رہ گئی۔

کیااُس نے واقعی قرآن سمجھنے کی کوشش کی تھی؟کیااُس نے قرآن کو ہمیشہ صرف پڑھنے کے لئے کھولا تھایا سمجھنے کے لئے؟

"صرف پڑھنے کے لئے۔"اپنے دل کی آواز پہ وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔اُس نے واقعی قرآن کو کبھی سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ماں کی طرح کبھی دل کی آنکھ سے پڑھنے کی چاہ ہی اُس میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔تو کیا یہی وجہ تھی کہ وہ قرآن سمجھ نہیں پاتی تھی؟

"آئرہ؟؟"دوسری طرف سے ملیشا کی آواز اُسے ہوش میں لائی تھی۔

"ہاں ملی۔۔۔یار میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں اچھا؟"وہ فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔اپنا خیال رکھنا۔"خدا حافظ کہہ کر ملیشا نے فون بند کر دیا۔آئرہ موبائل وہیں رکھ کر اپنے بیڈ کی طرف آئی تھی۔سائیڈ ٹیبل پہ ابھی بھی وہ قرآن پڑا تھا جسے دیکھ کر اس کے چہرے پہ ایک آسودہ سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

اس کا مطلب ابھی بھی دیر نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کو وہ جب گھر پہنچا تو شاہ میر بھی اُس کے ساتھ ہی آیا تھا۔آج اُس کا ارادہ بھی یہیں رات گزارنے کا تھا۔

"یار یہ تو کیا ہفتے میں دو دن یہاں ٹپک پڑتا ہے۔"ارحم نے اُسے دیکھ کر سوال کیا جو مزے سے اُس کے بیڈ پہ کمفرٹیبل ہو رہا تھا۔جوتے اتار کے ایک طرف رکھ دیئے اور مزے سے سیدھا لیٹ گیا تھا۔

"تو اکیلا نہ ہو جائے اس لئے۔"شامی کے انداز میں بے نیازی ہی بے نیازی تھی۔

"کیوں میرا اکیلا ہونے تجھے کیوں پریشان کر رہا ہے"ارحم نے کچھ تشویش سے اسے دیکھا۔کہیں اِس حماد کے بچے نے شاہ میر کو اُس پہ نظر رکھنے کو تو نہیں کہا تھا؟

"ہاں بھئی آپ سکون سے رہیں یہ ہمیں کدھر برداشت ہے؟"ارحم نے اسے اوپر سے نیچے ایک نظر دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔شاید وہی کچھ زیادہ سوچ رہا تھا۔

"تم اور حماد بالکل ایک جیسے ہو۔میرے سکون سے تو تم دونوں کو الرجی ہے۔"وہ اُس کے ساتھ بیڈ کی دوسری طرف جا لیٹا تھا۔

"اب کیا کر سکتے ہیں یہ ایک لاعلاج بیماری ہے۔"

"اِس لاعلاج بیماری کا کوئی حل نکال لیں صاحب کیونکہ شادی کے بعد میں تم دونوں کو اپنے آس پاس بھی برداشت نہیں کروں گا۔"آنکھوں میں تنبیہہ لئے وہ اُسے جتا کر بولا تو شاہ میر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"ارے یار تب تو ہماری بھابھی ہو گی نا تیرا سکون برباد کرنے کے لئے۔پھر ہماری کیا ضرورت۔"اُس کی بات پہ ارحم نے ایک کشن اٹھا کر اُس کے منہ پہ دے مارا۔

شاہ میر نے حفاظت کے لئے ہاتھ منہ کے سامنے رکھ لئے پر کشن پھر بھی کافی زور کا لگا تھا۔

"تو اپنا ریڈیو بند ہی رکھا کر۔ کبھی کوئی اچھی بات نہ نکالنا اس منہ سے۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"جی جی میری باتیں کیوں اچھی لگیں گی آپ کو۔ میں تو کرتا ہی صرف بکواس ہوں۔" وہ جل کر بولا تھا۔ ارحم اس کی شکل دیکھ ہنس پڑا۔

"بہت بے غیرت ہے تو۔" وہ چہرے پہ خفگی سجائے کہہ رہا تھا۔ ارحم نے محض کندھے اچکائے اور ہاتھ میں فون لئے پھر اپنی جگہ لیٹ گیا۔

شاہ میر کی نظریں کچھ دیر اس کے چہرے کو پڑھتی رہیں۔ وہاں اب پہلے کی سی چمک نہیں ہوا کرتی تھی۔ شاہ میر نے خاموشی کے ایک طویل وقفے کے بعد اُسے پکارا۔

"ارحم؟"

"کیا مسئلہ ہے؟" ارحم نے موبائل سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"تو ٹھیک ہے؟" شاہ میر کے سوال نے ارحم کے ہاتھوں کی حرکت کو یکدم روک دیا۔ وہ لمحے بھر کو تو کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟"

"میں نے جو سوال پوچھا اس کا جواب دے۔" شاہ میر اب کی بار سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"کیا تو ٹھیک ہے؟"

ارحم کی نظریں اس کے چہرے کی طرف اٹھی جہاں بلا کی سنجیدگی تھی۔ اسے شاہ میر کے یوں بدلتے موڈ کو سمجھنے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں شامی۔" اس نے اپنی طرف بات کو ہوا میں اڑایا۔ ہاتھ نہ محسوس انداز میں بالوں کو سلجھانے لگے۔ شاہ میر نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

"تو نے مجھ سے بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے؟"

"تجھے کیوں لگ رہا ہے کہ میں۔۔۔"

"اس شام ہشام انکل نے تجھ سے کیا بات کی تھی؟" شاہ میر نے بنا تمہید باندھے بات کا آغاز کیا۔ارحم نے پہلے کچھ نا سمجھی سے اسے دیکھا۔لیکن پھر جب اسے شاہ میر کی بات اس کے ذہن پہ اثر انداز ہوئی تو ان بادامی آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"تجھے۔۔تجھے کیسے پتہ چلا؟" وہ پورا اس کی طرف گھوم گیا۔بے یقینی اور بے چینی کے کچھ ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس نے شاہ میر کو دیکھا جو مسلسل اس کے چہرے پہ آتے اتار چڑھاؤ نوٹ کر رہا تھا۔

"میں اس دن تیرے گھر آیا تھا پر تو اپارٹمنٹ میں نہیں تھا۔مجھے لگا پارک میں ہو گا تو میں وہاں چلا آیا اور تب میں نے تجھے ہشام انکل کے ساتھ دیکھا تھا۔اور اگلے دن جب میں تجھے لینے آیا سمیر کے لئے تو میں تجھے دیکھ کر ہی سمجھ گیا کہ کچھ ہوا ہے۔تو اب بتا کیا کہا تھا انہوں نے؟" اور مجھے سیدھا سیدھا بتانا۔کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔"

اورارحم نے جو شروع میں سوچا تھاوہ شاہ میر کو کچھ نہیں بتائے گا،اس کے تمام ارادے کمزور پڑنے لگے۔وہ کچھ پل تو خاموش رہا لیکن پھر بولا تو آواز ہر قسم کے جذبات سے عاری تھی۔

"وہ بس کہہ رہے تھے کہ میں ان کی بات سن لوں۔"ارحم نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

"کون سی بات؟"

"میں نہیں جانتااور نہ میں جاننا چاہتا ہوں۔"اس کی آواز میں دبہ دبہ سا غصہ در آیا۔

"لیکن۔۔"

"تم اگر مجھ سے ان کا ذکر کرنے آئے ہو تو پلیز واپس چلے جاؤ۔"ارحم کہہ کر اٹھنے لگا جب شاہمیر نے اسے بازو سے پکڑ کر بیٹھایا۔

www.novelsclubb.com

"ارحم تم ایک دفعہ۔۔"

شاہ میر مجھے کوئی بات نہیں کرنی اس بارے میں۔" وہ اب آہستہ آہستہ زچ ہونے لگا تھا۔

"پر وہ بابا ہیں تمہارے۔" اس کی بات پہ ارحم نے ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی۔اس کی آنکھوں میں جو تاثر تھا، شاہ میر کو لگا اسے چپ ہی رہنا چاہئیے تھا۔

"وہ شخص میرا باپ نہیں ہے شاہ میر۔اور اس بات کو تم اپنے دماغ میں اچھے سے بٹھالو۔میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں۔وہ صرف دوسروں پہ الزام لگانا جانتے ہیں۔"

اسے اپنے سامنے بہت سے منظر باری باری نظر آنے لگے۔بہت سی آوازیں اچانک اس کے وجود پہ بھاری پڑھنے لگیں۔ارحم اپنی جگہ سے اٹھا لیکن ایک پل کے لئے اس کے سامنے ساری دنیا گھوم گئی۔

"ارحم!" شاہ میر نے آگے بڑھ کر اسے تھامنا چاہا پر ارحم نے فوراً سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ایک آخری نظر اس پہ ڈال کر وہ وہاں سے چلا گیا۔جاتے ہوئے اس نے اپنے پیچھے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔

بستر پہ بیٹھا شاہ میر ایک لمبی سانس بھر تا رہ گیا۔اس نے یہ گفتگو ایسے کرنے کا نہیں سوچا تھا۔یہ سب تو الٹا اسے بھاری پڑ گیا۔اب ایک پریشان ارحم کے ساتھ ایک ناراض ارحم بھی تھا جسے اس نے منانا تھا۔

☆☆☆☆☆

"امل بیٹا۔" مسز شائز کمرے میں داخل ہوئی تو امل کو جائے نماز پہ کھڑے پایا۔ اسے دیکھ کر وہ خاموشی سے اندر آ گئیں اور دھیرے سے بیڈ پہ جا کر بیٹھ گئیں۔وہ چہرے پہ ہلکی سی مسکان لئے امل کو دیکھ رہی تھیں جو انہیں خود سے بھی زیادہ پیاری تھی۔امل اتنے پر سکون انداز میں نماز پڑھتی تھی کہ مسز شائز گھنٹوں اُسے نماز پڑھتا دیکھ سکتی تھیں۔اس کا ہر عمل بہت ٹھہرا ہوا تھا۔

"امی؟"امل نے سلام پھیر کر اپنے سامنے بیٹھی مسز شائز کو دیکھا جو اُسے ہی دیکھ رہی تھیں۔اُس کے پکارنے پہ مسز شائز نے اُسے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو امل فوراً سے اٹھ کر اُن کے پاس چلی آئی۔

"سب خیریت؟"امل نے ساتھ بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

"جی میری جان سب خیریت ہے۔مجھے بس آپ کے ساتھ کچھ وقت اکیلے گزارنا تھا تو میں چلی آئی۔"انہوں نے اپنے ازلی دھیمے لہجے میں کہا تھا۔مسز شائز ایک کافی نرم مزاج خاتون تھیں۔سنہرے بالوں کو جوڑے میں باندھے، نفیس سا ہلکے کام والا جوڑا پہنے،ڈوپٹے کو سر پہ ٹکائے وہ کافی تیار تیار سی رہتی تھیں۔لیکن اِس تیاری کے باوجود ان کے انداز میں جو سادہ پن تھا وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔

"ضرور امی آپ جتنی دیر چاہیں میرے پاس بیٹھ جائیں۔"وہ ان کے ٹھنڈے ہاتھوں کو اپنے گرم ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے بولی۔اُس کی آنکھوں میں اپنے سامنے بیٹھے وجود کے لئے بس عقیدت اور محبت تھی۔

مسز شائز کافی دیر تک اُس کے پاس بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں اور وہ خاموشی سے انہیں سنے گئی۔ جب وہ تھک گئیں تو امل نے اپنا سر اُن کے کندھے سے ٹکا دیا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی بیٹا۔" مسز شائز اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"جی امی کیا بات ہے؟"

"آپ کے ابو واپس پاکستان جانے کا سوچ رہے ہیں۔" انہوں نے مانو امل پہ دھماکہ کیا تھا۔ وہ اگلا سانس تک نہ لے سکی۔

"امی؟" وہ بے یقینی کے عالم میں بڑبڑائی۔

www.novelsclubb.com

"جی بیٹا۔وہ کب سے واپس جانے کی بات کر رہے تھے۔لیکن وہ بس آپ۔۔۔"
انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔امل بنا پلک جھپکائے ان کے کندھے سے سر لگائے بیٹھی رہی۔

"امل؟؟"انہوں نے اُسے پکارا پر امل کو لگا وہ سن نہیں سکے گی۔"میرا بچہ میں جانتی ہوں یہ نیوز آپ کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں ہے پر۔۔"

"نہیں امی۔"وہ بمشکل سیدھی ہو کر بیٹھی۔ایک مرتبہ پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ انہیں دیکھنے لگی۔"ابو کی خواہش میری لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔اگر وہ واپس جانا چاہتے ہیں تو ہم واپس چلے جائیں گے۔"اُس نے اپنے تاثرات نارمل رکھنے چاہے پر وہ بھی کسے بے وقوف بنا رہی تھی۔مسز شائز اُسے دیکھتے ہی اُس کے دل کا حال جان لیا کرتی تھیں۔

"پر بیٹا ہم نہیں صرف آپ کے ابو اور میں۔"مسز شائز نے اب جیسا اگلا دھماکہ کیا تھا۔امل نے کچھ نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔

"جی؟"

"بیٹا ہم آپ کی پڑھائی کا حرج تھوڑی نا کر سکتے ہیں اپنے ساتھ واپس لے جا کر۔" اس ساری گفتگو میں مسز شائزاب پہلی بار مسکرائی تھیں۔"آپ کے ابو اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک آپ کی گریجویشن کمپلیٹ نہیں ہو جاتی، آپ یہیں رہو گی۔"

"پر۔۔"امل اب کی بار صحیح معنوں میں کنفیوز ہوئی تھی۔"آپ لوگ چلے جائیں گے تو میں اکیلے کیسے امی؟"

"آپ اکیلی کہاں ہو امل۔ کیتھی آپ کے ساتھ ہے۔اور آپ کے باقی بھی بہت سے دوست ہیں یہاں۔اور کچھ سالوں کی ہی تو بات ہے۔ایک بار آپ کی پڑھائی مکمل ہو جائے اور آپ کو لگے کہ اب آپ پاکستان جانے کے لئے تیار ہو تو ہم آپ کو بلا لیں گے۔"انہوں نے اپنی گرفت اُس کے ہاتھوں پہ مضبوط کر لی۔امل کافی دیر تک کچھ نہ بول سکی۔پھر اچانک ہی اُس نے مسز شائز کو خود سے گلے لگا لیا تھا۔

"تھینک یو سو مچ امی۔" وہ جانتی تھی ان کے لئے اُسے چھوڑ کے جانے کا فیصلہ کتنا مشکل تھا۔ لیکن وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ آج اُس کے دل میں اُن کی عزت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

"اگر آپ کے ابو کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں کبھی آپ کو ایسے چھوڑ کر نہ جاتی۔" انہوں نے شکایتی لہجے میں کہا تو امل اداس چہرے کے ساتھ ہنس دی۔

وہ ان کے بغیر کتنی اکیلی ہونے والی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات کا اندھیرا گہرا ہوا تو وہ اپنے سامنے سٹڈی ٹیبل پہ قرآن کھول کر بیٹھ گئی۔ سٹڈی لائٹ کی زرد روشنی قرآن پہ پڑھ رہی تھی اور وہ سر پہ ڈوپٹہ لپیٹے تازہ وضو کے ساتھ اُسے کھولے بیٹھی تھی۔ اس دن کی ملیشا کے ساتھ کی گئی گفتگو نے اُسے بالآخر قرآن کھولنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

آئرہ نے پہلے سوچا کہ وہ شروع سے شروع کرے گی لیکن پھر کسی احساس کے تحت اُس نے سیدھا سورۃ یاسین کھول لی۔ یہ سورت اُسے بچپن میں اُس کے قاری صاحب نے یاد کروائی تھی جسے وہ کب کی بھول بھال گئی تھی۔ لیکن آج اُس نے اِس سورت کو ترجمے کے ساتھ پڑھنا چاہا تھا۔ اُس نے کہیں سنا تھا کہ سورۃ یاسین کو قرآن پاک کا دل کہا جاتا ہے۔ نجانے اُس میں ایسا کیا تھا پھر۔ یہ جاننے کے لئے ہی اُس نے سورت کو بیچ سے پڑھنا شروع کیا۔

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔"

"اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور میری ہی عبادت کرنا۔ سیدھی راہ یہی ہے۔"

(سورۃ یٰس، آیت نمبر 60–61)

"شیطان کی عبادت کرنے سے بھلا کیا مراد ہے؟"اُس نے خود سے سوال کیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنا سوال ایک نوٹ پیڈ پہ لکھا جسے اس نے ساتھ رکھا تھا۔اس نے سوچا ہوا تھا کہ اس بار وہ ہر مشکل سوال یا ضروری بات ساتھ ساتھ لکھتی جائے گی۔

سوال لکھنے کے بعد اس نے دو سے تین مرتبہ ان آیات کو پڑھا جب اچانک ہی اُس کے دماغ میں روشنی کا جھماکہ ہوا۔"اگر اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا، اللہ کو یاد کرنا، اللہ کی خوشی کے لئے کوئی کام کرنا۔یہ سب اللہ کی عبادت میں آتے ہیں تو شیطان کے وسوسے میں آکر کسی گناہ کی طرف قدم بڑھانا۔شیطان کی بات مان کر اُس کو خوش کرنا۔یہ سب شیطان کی عبادت میں ہی تو آتا ہو گا۔"اپنے جواب نے اُس کچھ پلوں کے لئے خاموش کر دیا۔دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی تھی۔اس نے جلدی سے دماغ میں آتے کچھ خیالوں کو جھٹک کر آگے سے پڑھنا شروع کیا۔

www.novelsclubb.com

"شیطان نے تو تم میں سے بہت ساری مخلوق کو بہکا دیا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ یہی وہ دوزخ ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ اپنے کفر کا بدلہ پانے کے لئے آج اِس میں داخل ہو جاؤ۔" (سورۃ یٰس، آیات نمبر 62–64)

آئرہ نے جب ان آیات پہ غور کیا تو اسے اللہ کا ان لوگوں کو بے عقل کہنا سمجھ آیا۔ کیونکہ اگر یہ لوگ عقل رکھتے تو آج شیطان کی پیروی نہ کر رہے ہوتے۔ لیکن پھر وہ کن لوگوں میں سے تھی؟ جن سے اللہ نے دوزخ کا وعدہ کیا تھا یا جنہیں جنت کی خوشخبری سنائی تھی؟ جواب تو اُس کے پاس تھا پر یہ دل ابھی بھی ماننے سے انکار کر رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"ہم آج کے دن اُن کے منہ پر مہریں لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں گواہیاں دیں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے۔" (سورۃ یٰس، آیت نمبر 65)

اُسے اس آیت سے خوف آیا تھا۔بے اختیار اُس کی نظر اپنے ہاتھوں پہ گئی۔کیا یہ ہاتھ واقعی اُس روز گواہی دیں گے جو کام اُس نے اِن سے کئے تھے؟ہاتھوں سے ہو کر اُس کی نظر اپنے پیروں پہ پڑی تو ایک اور سوال ذہن میں آیا۔کیا یہ پیر واقعی خود بتائیں گے کہ وہ اِن سے کہاں کہاں گئی تھی؟جو جو گناہ اُس سے ان ہاتھوں، پیروں، آنکھوں اور زبانوں سے سرزد ہوئے۔کیا وہ سب اللہ کے حضور دہرائیں جائیں گے؟اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیتے پھر یہ راستے کی طرف دوڑتے پھرتے لیکن انہیں کیسے دکھائی دیتا؟اور اگر ہم چاہتے تو ان کی جگہ ہی پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے پھر نہ وہ چل پھر سکتے اور نہ لوٹ سکتے۔"(سورۃ یٰس،آیات نمبر 66-67)

اللہ چاہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا۔اسے دھیرے دھیرے احساس ہونے لگا تھا۔

آئرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر قران بند کر دیا تھا۔اُس کا دل عجیب سا ہونے لگا تھا۔ایک خوف سا تھا جو پھیلتا جا رہا تھا۔ نجانے کیوں پر ہر آیت کو پڑھنے کے بعد اُسے لگتا وہ مزید نہیں پڑھ سکے گی۔اللہ نے سب کچھ اتنا واضح کر کے بیان کیا ہوا تھا کہ اسے خود سے خوف آنے لگا۔یہ کیسا آئینہ تھا جو قرآن اسے دیکھا رہا تھا؟اس کے سر میں شدید درد شروع ہو گیا۔وہ قرآن وہیں چھوڑ کر اپنے بیڈ کی طرف آ گئی۔ کھڑکی سے باہر اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

سفید ستونوں والے اُس بڑے سے ریسٹورنٹ کے اندر اُس وقت ارحم اور شاہ میر کھڑے تھے۔ نظریں آس پاس آتے جاتے لوگوں میں سے کسی کو کھوج رہی تھیں۔

"یار ارحم یہ کون صبح صبح تجھے اور مجھے ایسی جگہ پہ بلا کے خود غائب ہو گیا ہے؟" شاہ میر نے سامنے موجود ایک کرسی کھینچی اور اُس پہ بیٹھ گیا۔وہ دونوں پچھلے پندرہ

منٹ سے اُس ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے کے سامنے کھڑے رہے۔ لیکن جب شاہ میر سے اور کھڑا نہ ہوا گیا تو وہ ریسٹورنٹ کے اندر چلا آیا۔

"مجھے کیا پتہ؟ تیرے سامنے ہی میسج آیا تھا مجھے۔" ارحم بھی اُس کی مقابل پڑی کرسی پہ تھک کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں آج صبح ارحم کے فون پہ کسی غیر شناسا نمبر سے آتی کالز کی وجہ سے جاگے تھے۔ ارحم نے جب موبائل دیکھا تو وہاں اُسی نمبر سے میسجز بھی آئے ہوئے تھے کہ وہ دونوں اِس ریسٹورنٹ ٹھیک گیارہ بجے تک پہنچ جائے۔ انہیں کسی سے ملوانا ہے۔

شاہ میر کا تو کہنا تھا کہ یہ کوئی پرینک کال ہو گی پر وہ شخص اُن دونوں کے بارے میں اتنا کچھ جانتا تھا کہ کم از کم یہ کوئی پرینک نہیں تھا۔

"اوئے ارحم دیکھ کوئی نیا میسج تو نہیں آیا نا؟" شاہ میر نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سوال کیا۔

"نہیں یار۔ یہ بندہ جو بھی ہے ٹائم کا بالکل پابند نہیں ہے۔"ارحم نے تنگ آ کر موبائل ٹیبل پہ رکھ دیا۔شاہ میر کا تو بس نہیں چل رہا تھا اِس بندے کو اُلٹا لٹکا کر اِس پہ اپنی باکسنگ پریکٹس کرے جس بندے نے شاہ میر فرقان کی نیند برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔

"یہ جو بھی ہے اگر اگلے دس منٹ تک یہاں نہ پہنچا نا میں نے اِس کے گھر گھس کر اِس کی دھلائی کرنی ہے پھر۔"شاہ میر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا تھا۔

"تو اکیلا نہیں ہے بھائی۔ملے سہی مجھے بھی یہ شخص۔خیر نہیں ہو گی پھر اِس کی۔" ارحم ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے بڑبڑایا۔

"اس کا مطلب مجھے پتلی گلی سے کٹ لینا چاہئے۔"ارحم کے بالکل پیچھے کسی نے اس کے کان کے پاس اتنی اونچی آواز میں کہا کہ وہ بیچارا ڈر کر کرسی سے گرتے گرتے بچا۔

"یہ کیا حرکت ہے!"ارحم غصے سے پیچھے پلٹا لیکن پھر جیسے اپنی آنکھوں پہ اُسے یقین ہی نہ آیا ہو۔اُس کے سامنے بیٹھا شاہ میر بھی منہ کھولے اُسی بندے کو دیکھنے لگا جو مزے سے مسکراتا ہوا دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"شاہ میر کیا تجھے بھی وہی نظر آرہا ہے جو مجھے نظر آرہا ہے؟"ارحم نے شاہ میر کو دیکھے بغیر سوال کیا جس کے جواب میں شامی نے بس ہلکا سا سر ہلا دیا۔

"تم دونوں کیا ہونق بنے مجھے گھور رہے ہو؟"وہی دل فریب آواز ایک مرتبہ پھر گونجی۔شاہ میر کی تو آنکھیں باہر آنے کو تھیں جبکہ ارحم لگاتار پلکیں جھپکا رہا تھا کہ شاید ابھی یہ سامنے کھڑا شخص کہیں غائب ہو جائے گا۔

"یار کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔اب اتنا بھی سرپرائزڈ ہونے کو نہیں کہا تھا میں نے۔"اُن سیاہ آنکھوں نے اب کی بار ذرا ناگواری سے انہیں دیکھا اور پھر ساتھ ہی کرسی کھینچ کر دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔

شاہ میر کبھی ارحم کو دیکھتا اور کبھی اپنے ساتھ بیٹھے اُس شخص کو۔

"ارحم مجھے لگتا ہے ہماری نیند پوری نہیں ہوئی اِس لئے جاگتے میں خواب دیکھ رہے ہیں ہم۔" شاہ میر نے اپنے گال ہلکے سے تھپتھپاتے ہوئے کہا جیسے خود کو نیند سے جگانے کی کوشش کی ہو۔

"بہت ہی بے غیرت قسم کے دوست ہو تم لوگ۔" حماد نے دونوں کے سروں پہ ایک چماٹ رسید کرتے ہوئے جیسے انہیں اپنے ہونے کا یقین کادلایا۔

"یہ اصلی ہے شامی۔" ارحم نے شاہ میر کو دیکھ کر کہا۔

"یہ واقعی اصلی ہے۔" شاہ میر نے اُس کی بات کی تائید کی۔

"اب تم لوگوں کا ڈرامہ ختم ہوا یا مزید جاری رکھنے کا اردادہ ہے؟"

"بیٹا ڈرامہ تو ابھی شروع ہوا ہے۔" شاہ میر نے ارحم کو دیکھ کر اشارہ کیا جو فوراً ہی اُس کی بات سمجھ گیا اِس لئے دھیرے سے مسکرایا تھا۔

"کیا مطلب؟"حماد نے کچھ نا سمجھی سے دونوں کو دیکھا لیکن پھر اُسے بھی جلد ہی سمجھ آگئی جب وہ دونوں ایک دم سے اُس پر جھپٹے پڑے۔

"اوے!!"وہ بیچارہ اِس حملے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا تبھی ایک دم سے چیخ پڑا۔ ارحم نے اگلے ہی پل اُس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اُسے مزید چلانے سے روکا اور شاہ میر نے اُس کے ہاتھ باندھ کر مزاحمت کرنے سے اُسے روک دیا۔

وہاں ریسٹورنٹ میں اُس وقت کم ہی لوگ تھے اِس لئے کسی کی اُن پہ زیادہ نظر نہیں پڑی ورنہ لوگ انہیں کڈنیپنگ کرتے ہوئے سمجھ لیتے۔

"تجھے شرم نہیں آئی میری نیند برباد کرتے ہوئے؟"شاہ میر نے اُس بازو پہ ایک مکا جھڑا۔ حماد ارحم کے ہاتھ کی وجہ سے بمشکل منمنایا۔

"اور تجھے شرم نہیں آئی ہمارے ساتھ پرینک کرتے ہوئے؟"ارحم نے اپنی گرفت اُس کے بازوؤں اور منہ پہ سخت کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ویسے اگر اس کی جگہ ابھی کوئی اور ہوتا تو میں اس پر رینک کے بدلے اس کا قتلِ عام کر دیتا۔ شاہ میر فرقان کی نیند خراب کرنا کسی سنگین جرم سے کم نہیں ہے۔"

"تو کرتا یا نہ کرتا لیکن میں ضرور اس بندے کو کسی کھائی پہ لے جا کر پھینک دیتا۔" ارحم نے ایک نظر حماد کو دیکھتے ہوئے کہا جو مسلسل ان کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان دونوں نے کچھ دیر مزید اس پہ اپنا تشدد جاری رکھا لیکن پھر جب وہ خود بھی تھک گئے تو باری باری اسے چھوڑ دیا۔ ارحم نے پہلے اُس کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹایا اور دوسری طرف شاہ میر نے اُس کے ہاتھوں پہ اپنی گرفت ڈھیلی کر دی جس کی بدولت حماد نے فوراً سے خود کو چھڑایا۔

www.novelsclubb.com

"غلطی ہو گئی مجھ سے یار۔ آج کے بعد مر کے بھی تم دونوں کو سرپرائز نہیں دوں گا۔" حماد اُس گھڑی کو کوسنے لگا جب اُس نے اِن دو مشٹنڈوں کو سرپرائز دینے کا سوچا تھا۔

"اب تو ایسے خطرناک سرپرائز دے گا تو ہماراری ایکشن تو بنتا ہے۔" شاہ میر نے حماد کی ٹی شرٹ کی سلوٹیں درست کرتے ہوئے کہا جوان دونوں کے حملے کی زد میں بے وجہ ہی آگئی تھی۔

"بیٹا یہ ری ایکشن نہیں اوور ریکشن تھا۔" وہ دونوں کو نارضگی سے گھورتے ہوئے بولا۔ارحم اُس کے انداز پہ ایک بار پھر مسکرایا اور اگلے ہی پل زور سے اُس کے گلے جالگا۔اُس کی دیکھا دیکھی شاہ میر بھی دونوں کے اوپر چڑھ گیا۔

"افف مجھے سانس تو لینے دو یار!" حماد بیچارہ دونوں کے نیچے سے بمشکل بول پایا۔

"تجھے بہت یاد کیا تھا ہم نے۔" شاہ میر نے الگ ہوتے ہوئے بتایا۔

"ہاں مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔" حماد کا اشارہ ارحم کی طرف تھا جو ابھی بھی اُس کے گلے لگا تھا۔

"اوئے بس کر دے یار، بے چارے کی جان لے گا کیا؟" شامی نے ارحم کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا جو اُس کی بات پہ ہنس پڑا۔

"تو کس کے ساتھ آیا ہے؟" تینوں کا جب بھائی چارہ ختم ہوا اور شاہ میر نے ناشتے کا اورڈر دے دیا تو ارحم نے سوال کیا۔

"بابا کے ساتھ آیا تھا۔ پر وہ آتے ہی کچھ کام میں بزی ہو گئے تھے تو میں نے سوچا میں تم لوگوں سے مل لوں پہلے۔"

"اسد انکل یہاں کیوں نہیں آئے پہلے؟" شاہ میر نے پانی کا ایک گھونٹ بھرتے ہوئے سوال کیا۔

www.novelsclubb.com

"وہ ان کا کوئی کام تھا جس چکر میں اُن کا وہاں جانا زیادہ ضروری تھا۔ پر دن کا کھانا وہ کہہ رہے تھے کہ سب ساتھ کھائیں گے۔"

"دادو کا کیا حال ہے؟ان کی طبیعت تو ٹھیک رہتی ہے؟وہ دوائیاں ٹائم سے لے رہی ہیں کیا؟"ارحم کو جیسے ہی صفیہ مرزا کا خیال آیا تو سوال پہ سوال کر بیٹھا۔حماد اُس کے سوالوں پہ بس سر ہلاتا رہ گیا۔

"دادو بالکل فٹ ہیں۔چنگی بھلی ہیں۔اور دوائیاں بھی وقت سے کھا رہی ہیں۔"

"اور تیرا کب تک کا ارادہ ہے یہاں کا؟"اگلا سوال شاہ میر کی طرف سے تھا جس پہ حماد نے منہ بسورا۔"کیوں بھئی تو مجھے آتے ساتھ ہی واپس کیوں بھیجنا چاہتا ہے۔" آواز میں ناراضگی تھی۔

"ارے نہیں یار میں بس پوچھ رہا تھا کہ پھر ہم لوگ کچھ پلین کریں ایک ساتھ۔ پورے ایک سال بعد ہم تینوں اکھٹے ہوئے ہیں۔کچھ تو ہلا گلہ کرنا بنتا ہے نا۔"

"بالکل،ہلا گلہ تو ہو گا۔"وہ مسکرا کر ٹیک لگائے کہنے لگا۔

☆☆☆☆☆

شام گئے وہ تینوں ارحم کے اپارٹمنٹ میں اکھٹے ہوئے تھے جب اسد مرزا بھی وہیں آ پہنچے۔انہیں دیکھتے ہی شاہ میر سب سے پہلے ان سے جا ملا تھا۔

"یار انکل آج تو آپ نے آتے آتے کافی دیر لگادی۔" وہ ان کا بیگ پکڑے باہر صوفے پہ آ بیٹھا تھا جہاں ارحم اور حماد ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"سوری بیٹا۔بس کچھ مصروفیات ہی اس قدر ہو گئی تھیں کہ بہت لیٹ ہو گیا۔" اسد مرزا اس کی بات کا جواب دے کر سب سے پہلے اپنے بھتیجے سے ملے تھے جو ان سے اتنے مہینوں بعد آج مسکرا کر ملا تھا۔اسد مرزا کو تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ان کا بھتیجا انہیں دیکھ کر مسکرا رہا ہے؟

"کیسے ہو ارحم؟اور سرپرائز کیسا لگا ہمارا؟" ان کا اشارہ اپنے اور حماد کے ایسے اچانک آنے کی طرف تھا جس کے جواب میں شاہ میر اور ارحم کی نظریں ملیں۔

"بہت اچھا سرپرائز تھا انکل۔ حماد سے پوچھیں نا، ہم تو ایموشنل ہی ہو گئے تھے اسے دیکھ کر۔" جواب شاہ میر نے دیا تھا جس کے ہر انداز سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"جی جی بابا۔ انہوں نے تو مجھے دیکھ کر آنسوؤں کی ندیاں بہادیں تھیں۔" حماد نے جل کر کہا تو اسد مرزا بھی ہنس پڑے۔

"میں سمجھ رہا ہوں ان کا ایموشنل ہونا۔" وہ کافی ہشاش بشاش سے لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے کی خوشی یا تو ارحم کو ٹھیک دیکھ کر تھی یا اس کی ناراضگی ختم ہوتا دیکھ کر۔

www.novelsclubb.com

"آپ کچھ لیں گے چاچو؟" ارحم اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اسد مرزا صبح سے اب جا کر ان سے ملنے آئے تھے۔ پتہ نہیں انہوں نے کچھ کھایا بھی ہو گا یا نہیں۔

"ارے بیٹا میں تو اپنے دوست کے ساتھ کھا کر آیا ہوں۔ اسی لئے تو دیر ہو گئی تھی۔"

"پر حماد تو بتا رہا تھا کہ آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے۔" شاہ میر نے حماد کی جانب دیکھ کر کہا جو اس کی بات پہ سر ہلا رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔

"ہاں کہا تو تھا لیکن پھر ایک دوست سے ملاقات ہو گئی تو اُسی کے ساتھ کھانا کھا لیا۔"

"کون سے دوست بابا؟" حماد نے ارحم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا جو تب سے کھڑا تھا۔ ارحم اُس کے اشارے پہ خاموشی سے دوبارہ بیٹھ گیا۔

"وہی سلیم ملک جو اُس دن ہمارے گھر آئے تھے۔"

"ارے ہاں وہ تو یہیں رہتے ہیں نا۔ کیسے ہیں وہ؟" حماد کو سلیم ملک کے ساتھ اپنی آخری ملاقات یاد آ گئی۔ اُس دن وہ کتنے خراب حلیئے اور برے موڈ کے ساتھ اُن سے ملا تھا۔ اُسے اچانک ہی افسوس ہوا۔

"وہ تو ٹھیک ہے پر مجھے کل کھانے کی دعوت دے کر گیا ہے۔"انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر انہیں بتایا۔شاہ میر کا اِس گفتگو کے دوران فون بج اٹھا تھا تو وہ معذرت کرتا وہاں سے اٹھ گیا جبکہ ارحم اور حماد ساتھ ساتھ بیٹھے اسد مرزا کو ہی دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو اچھی بات ہے نہیں؟"

"اچھی بات تو ہے لیکن میں اکیلا انوائٹڈ نہیں ہوں۔تم دونوں کو بھی میرے ساتھ جانا ہے۔"ان کی بات حماد اور ارحم نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو کیا ہوا؟ہم سب چلے جائیں گے۔ویسے بھی فری کے کھانے کو کون منع کرتا ہے۔"حماد نے ارحم کی طرف مسکراہٹ اچھالی تو وہ ہنس پڑا۔اپنے بیٹے کی بات سن کر اسد مرزا بھی مسکرا دیئے۔

"بس پھر کل دن کا کھانا ہمارا وہیں ہو گا۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے آگاہ کیا۔ "ابھی تو میں کافی تھک گیا ہوں۔ کل صبح ہی تم لوگوں سے گپ شپ کروں گا۔" انہوں نے ارحم کو دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے چاچو۔ آپ آرام کریں۔" ارحم اور حماد کو خدا حافظ کہتے ہوئے اسد مرزا ارحم کے ساتھ بنے دوسرے کمرے کی طرف چلے گئے۔

"یار حماد یہ کون سے والے سلیم انکل ہیں؟ چاچو کے اتنے دوست ہیں کہ مجھے یاد ہی نہیں رہتا۔" ارحم نے اتنے معصومانہ انداز سے سوال کیا کہ حماد کو شرارت سوجھی۔

"یار تو اپنے نا ہونے والے سسر کو کیسے بھول سکتا ہے؟" حماد کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ ارحم کچھ لمحے تو ساکت رہ گیا۔ پھر جب حماد کی بات اُس کے ذہن میں بیٹھی تو گردن پھینک کر ہنسا تھا۔

"اچھا وہ سلیم انکل؟" اُس نے ہنستے ہوئے گردن دائیں بائیں ہلائی جیسے کسی پرانی یاد کو ذہن سے جھٹک رہا ہو۔

"کیوں ہنسا جا رہا ہے بھئی؟اور یہ اسد انکل کہاں گئے؟"شاہ میر واپس لاؤنج میں آیا تو انہیں دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"بابا سونے چلے گئے ہیں اور ارحم کل اپنے ناہونے والے سسر کے گھر جانے کی خوشی میں ہنس رہا ہے۔"شاہ میر آنکھیں پھلائے حماد کے پاس بیٹھ گیا۔

"یہ کون سے ناہونے والے سسر ہیں جن کا مجھے نہیں پتہ؟"اس نے حیرت سے پہلے ارحم کو دیکھا اور پھر حماد کو۔

"یار تجھے نہیں پتہ پر بچپن میں ایک دفع ہم بابا کے ایک دوست کے گھر گئے تھے جہاں ہمارے اس بھائی کی ان انکل کی چھوٹی سی بیٹی کافی اچھی لگ گئی۔اور اس کی تو اس سے شاید دوستی بھی ہو گئی تھی۔یہ تو ان کے گھر سے آتا ہی نہیں تھا۔تب سب نے گھر آ کر اتنا مذاق بنایا اس کا۔"حماد یاد کر کر کے ہنس رہا تھا۔

"واہ یار،ارحم تو کافی تیز نکلا۔"شاہ میر نے اپنے دوست کو داد دی۔

"اب وہ تو بچپن کی بات ہے۔اب تو مجھے یاد بھی نہیں کچھ ٹھیک سے۔"ارحم نے جیسے انہیں سر سے اتارنا چاہا۔وہ لوگ اتنے وقت بعد اکھٹے ہوئے تھے،ارحم یہ وقت بس ان کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا بغیر کوئی اور ذکر چھیڑے اسی لئے وہ انہیں اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔

ابھی انہیں کافی باتیں کرنی تھیں۔آج کی رات،ان تین دوستوں کے نام۔

☆☆☆

باہر لان پہ صبح اتر چکی تھی اور فلک سفید بادلوں سے ڈھکا تھا۔ملک ہاؤس کے داخلی دروازے سے اندر جھانکو تو گھر میں معمول کی گہما گہمی تھی۔نصرت اور عابدہ اِس وقت لاؤنج میں بیٹھی پڑوس کی زبیدہ خالہ سے کسی موضوع پہ بات کر رہی تھیں۔ زبیدہ خالہ اکثر اُن کے ہاں چکر لگاتی رہتی اور ہر ملاقات میں انہیں اِس لین میں موجود تمام گھروں کی خبریں دے جایا کرتی تھیں۔یہاں کی بات وہاں پہنچانا ہی تو اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔

"ارے باجی جی آپ کو نہیں پتہ پرا پنی سمرین ہے نا،اس کا رشتہ آیا تھا ابھی کچھ دنوں پہلے۔ لیکن جی یہ لڑکے والے بڑے ہی کوئی لالچی قسم کے لوگ نکلے۔آتے ساتھ بے دھڑک جہیز کی بات کر دی۔اب بتاؤ بھلا، پہلی ملاقات میں بھی کوئی ایسا کرتا ہے کیا؟"زبیدہ خالہ اپنے مخصوص انداز میں کہتی، ساتھ ساتھ چائے کے گھونٹ بھی بھر رہی تھیں۔

"اور وہ سدرہ کا کیا بنا؟ سنا ہے اپنے میکے چلی گئی ہے میاں سے ناراض ہو کر؟" نصرت نے ڈوپٹے کے پلو کو ٹھیک سے اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے اُس کا کیا پوچھتی ہو باجی۔وہ تو کوئی ہفتہ پہلے لڑ جھگڑ کر اپنے میکے گئی تھی لیکن پھر اُس کے میاں نے منتے ترلے کر کے منا ہی لیا میڈم جی کو۔"

"پر جھگڑا ہوا کس بات پہ تھا؟"عابدہ نے اِس ساری گفتگو میں پہلی بار کچھ کہا تھا۔ نظر کے چشمے کو ایک ہاتھ سے ٹھیک کرتی وہ دوسرے ہی ہاتھ سے چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ کر پیچھے کو ہو کر بیٹھ گئیں۔

"سننے میں آیا ہے کہ اظہر میاں کسی میم صاحب کے چکڑ میں پکڑے گئے ہیں۔ سدراہ کو جب اِس بات کی بھنک لگی، وہ تو بس لڑنے کو تیار تھی۔ اگلے ہی پل سب چھوڑ چھاڑ کے میکے جا کر بیٹھ گئی۔ اب کوئی اُس کی عقل کو ہاتھ مارے۔ شوہر کو ایسے چھوڑ کر کون جاتا ہے بھئی۔ اگر وہ اُس میم صاحب کو گھر لے آتا تو؟ لیکن کیا کہہ سکتے ہیں جی۔ آجکل تو سب ہی سمجھدار بنے پھرتے ہیں۔" زبیدہ خالہ نے بات کے اختتام میں نظریں اُٹھا کر اِرد گرد دیکھا۔

"جی کوئی نظر نہیں آرہا۔ باقی گھر والے کہاں ہے؟"

"سب اپنے اپنے خیمے میں پائے جاتے ہیں۔ باقی نوید اور حسام تو کسی کام سے باہر گئے ہیں۔" نصرت نے چائے کے خالی کپ واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے بتایا۔

"حلیمہ باجی اور نور باجی بھی اوپر ہیں کیا؟ باقی یہ عنایہ اور آئرہ کو بھی کافی دنوں سے نہیں دیکھا میں نے۔" وہ اپنے ازلی تفتیشی لہجے میں پوچھنے لگیں۔ یہ لہجہ وہ اکثر تب

استعمال کیا کرتی تھیں جب انہیں کوئی خبر نکلوانی ہوتی تھی جسے وہ آگے جا کر یہاں سے وہاں کر دیا کریں۔ابھی بھی ایسی ہی کسی خبر کی توقع کئے وہ پوچھ رہی تھیں۔

"وہ دونوں تو اوپر ہی ہیں۔اور عنایہ تو پچھلے دو دنوں سے اپنی خالہ کے گھر گئی ہوئی ہے جبکہ آئرہ اوپر ہی کہیں ہو گی۔وہ کہاں ہی نیچے آیا کرتی ہے۔"وہ جواب دے کر ٹرے لئے کچن کی طرف بڑھ گئیں جبکہ زبیدہ خالہ کچھ پل خاموش رہیں پھر جیسے کوئی نئی بات یاد آئی تو ایک بار پھر عابدہ محبوب سے گویا ہوئی۔

"ارے بڑی باجی آپ کو یہ سامنے والے شکیل صاحب کے بارے میں پتا چلا؟"

ایک بار پھر کسی "اہم بات" کا خیال آنے پہ زبیدہ خالہ نے انہیں اگاہ کرنا ضروری سمجھا جس سے حقیقتاً ان کا کوئی لینا دینا نہیں تھا لیکن چلو خیر سننے میں کیا جاتا ہے۔

اب انہیں یہیں چھوڑ کر سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے اوپر آؤ تو ایک نئی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔جس کا شور ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔

"یار آئرہ بات تو سنو۔"مصعب ایک ہی رٹ لگائے آئرہ کے پیچھے اپنے پورشن سے اُس کے پورشن تک آ پہنچا تھا پر مجال ہے جو وہ اُس کی ایک بھی سن لے۔

"بس کر دو مصعب۔دیکھ لی ہے تمہاری وفاداری میں نے۔جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔"وہ اُسی نروٹھے پن سے کہتی باہر صوفے پہ آ بیٹھی۔صوفے پہ پڑا کشن ہاتھوں میں لئے وہ پورے دل و جان سے مصعب کو نظر انداز کر رہی تھی جو اُس کے عین سامنے، سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔

"یار غلطی ہو گئی مجھ سے۔میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"یہ وعدہ وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کر رہا تھا۔پر اب اُس کی بات کا اعتبار کسے تھا؟

"مجھے تمہاری کسی بات کا یقین نہیں رہا مصعب۔تم میرے پارٹنر اِن کرائم تھے اور تم نے ہی مجھے اتنا بڑا دھوکا دے دیا۔کیسے مان لوں میں کہ تم پھر کبھی ایسا نہیں کرو گے ہاں؟"وہ دبے دبے سے غصے میں بولی تو مصعب کا سر ایسے جھکا جیسے کوئی ملزم اپنا گناہ تسلیم کرنے کو تیار ہو۔

"تمہیں جو سزا دینی ہے دے دو۔پر مجھ سے یہ پارٹنر کا ٹیگ تو نہ چھینو۔" وہ تذبذب سا اُسے دیکھے گیا۔

"میں نے کہاں چھیناہے؟تم نے خود اِسے گنوادیاہے۔" وہ بھی اٹل تھی۔دونوں کی اِس بحث نے اندر کچن میں موجود حلیمہ کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، تبھی وہ بھی باہر آ گئیں۔

"کیا چل رہاہے بچو؟کیوں جھگڑ رہے ہو؟" ڈوپٹے سے اپنا گیلا ہاتھ پونچھتی وہ کبھی مصعب کو دیکھ رہی تھیں تو کبھی آئرہ کو۔

"تائی امی دیکھیں نا اپنی بیٹی کو۔ایک چھوٹی سی غلطی پہ اتنی بڑی سزا دے رہی ہے مجھے۔" مصعب نے اتنے دکھ سے کہا کہ کسی کو بھی اُس پہ ترس آ جائے۔

"کیون بھئی آئرہ؟ایسا کیا کر دیا مصعب نے جو تم اتنی ناراض ہو رہی ہو؟" آئرہ نے بھی ماں کے سوال پہ مصعب کی طرح ان کی ہمدردی بٹورنی چاہی۔

"یار ماما آپ کو نہیں پتہ پر آپ کا یہ لاڈلا بک گیا ہے چند پیسوں کے ہاتھوں۔" آئرہ نے افسوس سے کہا۔ "اِسے تو ہماری اتنی پرانی دوستی کا بھی خیال نہیں رہا اور بس لالچ میں آکر آپ کی بیٹی کو بیچ آیا دشمن کے آگے۔"

"کیا بول رہی ہو آئرہ؟ تم ہی بتا دو مصعب۔ اِس لڑکی کی تو مجھے کچھ سمجھ نہیں آتی۔" حلیمہ نے تمام تر توجہ مصعب کو دے کر پوچھا تو ساتھ بیٹھی آئرہ اندر تک جل گئی۔

"ہونہہ۔۔۔ اپنی بیٹی کی تو سننی ہی نہیں ہے انہوں نے۔" غصے سے بڑبڑاتے ہوئے آئرہ نے اپنا رخ ہی موڑ لیا تاکہ وہ دونوں اُسے نظر نہ آئے۔

"کچھ نہیں تائی امی۔ اِس نے تو بات کو فضول میں ہی بڑھا دیا ہے۔ میں نے تو بس صالح کو یہ غلطی سے بتا دیا تھا کہ پچھلے ہفتے آئرہ سے ہی اُس کا لیپ ٹاپ گرا تھا جس کا الزام اِس نے حسام بھائی پہ لگا دیا۔"

"غلطی سے نہیں بتایا تم نے، پورے پانچ سو روپے کی لالچ دی تھی تمہیں صالح بھائی نے۔اور تم نے کیا کیا؟ جا کے بتا آئے انہیں سب؟ ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ انہیں پتہ چلا تو مجھے کتنی ڈانٹ پڑے گی؟"اُس کا غصہ بجا تھا۔اب کون بھلا اپنے پارٹنر کا اِس طرح بھانڈا پھوڑتا ہے؟

"غلطی ہو گئی نا یار۔ کہہ تو رہا ہوں آئندہ کبھی مر کر بھی کسی لالچ میں نہیں آؤں گا۔"اُس نے مضبوط لہجے میں کہا کہ شاید آئرہ کو یقین آ جائے۔

"مت تنگ کرو اِسے مزید آئرہ۔بیچارہ معافی مانگ تو رہا ہے۔اور تم کون سا اِس کی جگہ ہوتی تو ایسا نہ کرتی۔" حلیمہ کو ابھی بھی مصعب کی سائیڈ لیتا دیکھ آئرہ کو مصعب پہ مزید تپ چڑھی۔اِس چھچھوندر نے تو اُس کی ماں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

"میں بکاؤ نہیں ہوں ماما۔کچھ بھی ہو جائے پر میں اپنے دوستوں کے راز کو راز رکھنا جانتی ہوں۔"

"اچھا سوری بلی۔یقین جانو میں بہت شرمندہ ہو۔"مصعب کی آواز ایک بار پھر گونجی۔آئرہ نے ایک نظر اُسے ایکھا اور ایک نظر ماں کو۔

"پکا تم آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے؟"آئرہ نے نظریں تیکھی کر کے اُسے گھورا۔مصعب لمحے بھر کو تو کچھ نہیں کہہ سکا لیکن پھر جب اُسے سمجھ آئی کہ آئرہ اُسے معاف کرنے والی ہے تو فوراً سے سر کو اثبات میں ہلانے لگا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں۔آئندہ اگر میری جان پہ بھی بن آئی تب بھی تمہارا کوئی بھی راز کسی کے آگے نہیں کھولوں گا۔"اُس وقت کا شدت جذبات میں کیا گیا وعدہ مصعب نے پھر ساری زندگی نبھایا تھا۔کچھ وعدے ہم وقتی طور پہ کر کے بھول جاتے ہیں لیکن پھر جب موقع ملے تو اُسے پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش میں جت جاتے ہیں۔مصعب نے بھی یہی کیا تھا۔

"چلو تم دونوں کی لڑائی تو ختم ہوئی۔" حلیمہ نے واپس کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا جب سلیم ملک کی آواز نے اُن کے چلتے قدموں کو روک دیا۔ وہ ابھی ابھی نیچے سے آئے تھے اور حلیمہ کو باہر پا کر اُسے پکار بیٹھے۔

"حلیمہ تم بزی تو نہیں ہو؟" انہوں نے ایک نظر آئرہ اور مصعب کو سامنے صوفے پہ بیٹھا دیکھ کر سلام کیا اور پھر حلیمہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"نہیں کیوں کوئی کام تھا کیا؟"

"ہاں وہ دراصل آج میں نے اپنے ایک دوست کو دن کی دعوت پہ بلایا ہے۔ تو اگر تم کھانے کا اہتمام کر دو۔"

"جی کوئی بات نہیں میں کر لوں گی۔ پر بنانا کیا ہے؟ اور کون سے دوست کو بلایا ہے آپ نے؟" حلیمہ سلیم ملک کے تمام دوستوں کے ناموں سے واقف تھی اِس لئے پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

www.novelsclubb.com

"اسد کو بلایا ہے میں نے آج کھانے پہ۔وہ کل ہی لاہور سے آیا ہے تو میں نے سوچا ایک دعوت رکھ لوں اُس کی۔"انہوں نے بات کر کے کمرے کی طرف جانے کو رخ موڑا۔"اور ہاں اس کے ساتھ اُس کا بیٹا اور بھانجا بھی ہو گا تو پھر اُس حساب سے سب کچھ بنانا۔"وہ کہہ کر چلے گئے اور پیچھے حلیمہ مہز سر ہلاتی رہ گئیں۔

"ارے واہ! آج تو کھانے میں مزے مزے کی ڈشز ملیں گی۔یار ماما آپ ناملائی بوٹی بنانا۔قسم سے بابا کے مہمان اپنی انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے۔"آئرہ نے مشورہ دیا تو مصعب نے فوراً سے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں تائی امی۔آپ بریانی بنانا کیونکہ اُس کے آگے تو سب کچھ پھیکا رہ جائے گا۔"

"تم چپ کرو چھچھوندر۔ماما ملائی بوٹی ہی بنائیں گی۔"آئرہ نے اٹل لہجے میں کہا۔

"بس بس۔۔۔اب پھر اپنا یہ چوہے بلی کا کھیل نہ شروع کر دینا۔میں خود دیکھ لوں گی کیا بنانا ہے۔تم دونوں جاؤ یہاں سے شاباش۔اب نظر نہ آؤ مجھے۔"دونوں کو وہاں سے بھیجتے ہوئے وہ خود بھی کچن میں چلی گئی تھیں۔ابھی بہت کام پڑے تھے۔

☆☆☆

دن کا سورج جب اپنے عروج پہ پہنچا تو ملک ہاؤس میں بھی صبح والی معمول سی گہما گہمی نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ سلیم ملک کے مہمانوں کی آمد کی خبر تمام گھر والوں کو ہو چکی تھی اور سب اُسی کی تیاری میں لگ گئے تھے۔ حلیمہ صداقت کے بنائے گئے کھانوں کی خوشبو سے پورا گھر مہک گیا تھا۔ کھانے کا اہتمام نیچے ڈائننگ روم میں کیا گیا تھا اور اُسی لئے حلیمہ خود ایک ایک کر کے تمام ڈشز نیچے کھانے کی ٹیبل پہ رکھ رہی تھیں۔

"یار بابا آپ کے مہمان کب آئیں گے؟" آئرہ کی بھوک کھانے کو دیکھ کر جب آخری حد تک پہنچی تو اُس نے باپ سے پوچھ ہی لیا کہ جن لوگوں کے لئے یہ سب بنا تھا، اُن کا آنے کا کوئی ارادہ تھا بھی کہ نہیں۔

"بس وہ لوگ بھی پہنچنے ہی۔۔۔" سلیم ملک ابھی بات مکمل کر ہی رہے تھے کہ پورچ میں ایک گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

"لو آ گئے۔" سلیم ملک کے چہرے پہ خوشی کی ایک لہر دوڑی اور پھر وہ اگلے ہی پل باہر اپنے دوست کو ملنے چلے گئے۔

"آئرہ اِدھر آؤ جلدی!" حلیمہ نے کچن سے آئرہ کو آواز دی تو وہ جو ابھی باپ کے پیچھے باہر جانے والی تھی، منہ بناتی ماں کی بات سننے چلی آئی۔

"ذرا باہر جا کر دیکھو ھادی کہیں گلی میں تو نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو اُسے اندر بلا لاؤ۔" انہوں نے اُسے دیکھتے ہی حکم سنایا۔

"افوہ! ایک تو اِس موٹے کو سکون نہیں۔" آئرہ منہ بسورتی ماں کے حکم کی تعمیل کرنے چلی آئی۔ لاؤنج میں آتے ہی اُس نے آس پاس نظریں دوڑائیں تو دیکھا سب گھر والے مہمانوں سمیت ڈائنگ روم میں موجود تھے۔ کندھے اچکاتی وہ بھی گھر سے باہر ھادی کو بلانے کے لئے چلی گئی۔

ڈائنگ روم سے اُس وقت باتوں کی آوازیں آرہی تھی۔ تمام گھر والے اسد مرزا اور اُن کی فیملی کے ساتھ بیٹھے تھے۔

"ارے بیٹا تم تو لاہور جا کر ہمیں بھول ہی گئے ہو۔" عابدہ محبوب نے چھوٹتے ہی شکایت کی تو اسد مرزا دھیرے سے مسکرائے۔

"بس آنٹی کچھ کام کا بوجھ اور مصروفیات ہی ایسی تھیں کہ یہاں آنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔"

"اور امی کیسی ہیں تمہاری؟" عابدہ محبوب کی صفیہ مرزا سے اچھی جان پہچان تھی۔

"بالکل ٹھیک ہیں امی بھی۔ اُس دن سلیم سے بھی آپ کا پوچھ رہی تھیں۔"

"اب تو کافی سالوں سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی تمہاری ماں سے۔ ورنہ ایک وقت تھا کہ روز روز کی باتیں ہماری ختم ہی نہیں ہوتی تھیں۔" عابدہ محبوب پرانی باتوں کو

یاد کر کے بولیں۔ یہ یادیں بھی کیسے دماغ کے ایک کونے میں ایسا ڈیرہ جمائے بیٹھی ہوتی ہیں کہ بس کسی سے ایک ملاقات میں ہی سب کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

اسد مرزا اُن کی بات پہ مسکرائے۔ پھر کسی احساس کے تحت جیب میں ہاتھ ڈالا۔ موبائل جیب سے نکالتے وقت انہیں کسی چیز کے نہ ہونے کا اندیشا ہوا۔ وہ اچانک ہی آس پاس دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا اسد؟" سلیم ملک نے دوست کو کچھ ڈھونڈتے ہوئے استفسار کیا تو وہ "کچھ نہیں" کہہ کر حماد کو بلا بیٹھے۔

"حماد بچے مجھے لگتا ہے میں گاڑی کے پاس کہیں چابیاں گرا آیا ہوں۔ تم جا کر لے آؤ جلدی سے۔" حماد جو پانی کا گلاس منہ سے لگائے بیٹھا تھا ابھی باپ کی بات پہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ارحم نے اُسے ٹوک دیا۔

"میں لے آتا ہوں چاچو۔ آپ ٹینشن نہ لیں۔" ارحم کرسی سے اٹھ کر باہر چلا آیا اور پھر سیدھا پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"ھادی!!"آئرہ پچھلے دس منٹ سے گیٹ کے پاس کھڑی ھادی کو بلا رہی تھی جو گھر سے کافی دور کھڑا اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ میں اتنا مصروف تھا کہ آئرہ کی آواز اُس تک پہنچی ہی نہیں۔جب وہ تھک گئی تو گیٹ کا دروازہ بند کر دیا۔

"ماما خود ہی نپٹ لیں گی اِس موٹے سے تو۔"کہتے ہوئے وہ اندر کی طرف آ ہی رہی تھی تو اُس کی نظر بابا کے دوست کی گاڑی کی طرف گئی جہاں پہ اُسے کوئی جھکا ہوا دکھائی دیا۔جھکنے والی کی پشت اُس کی طرف تھی اِس لئے آئرہ اُس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی۔

www.novelsclubb.com

"کون ہے؟"اُس کے عقب میں پہنچ کر آئرہ نے سوال کیا تو گاڑی کے پاس جھکا ارحم جو چابی ملنے پہ ابھی کھڑا ہو ہی رہا تھا،اپنے پیچھے سے کسی کی آواز سن کر ایک دم پلٹا۔

"میں وہ۔۔۔"اُس کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب نظر اپنے سامنے کھڑے وجود پہ پڑی۔آنکھوں میں شاک اور پھر بے یقینی کے تاثرات ابھرے۔آئرہ نے بھی اُسی حیرت سے ارحم کو دیکھا تھا۔یہ تو طے تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے لیکن ایسے ملنے کا یہ اتفاق دونوں کو ہی لاجواب کر گیا تھا۔

"آپ؟"ارحم سب سے پہلے اِس شاک کی کیفیت سے باہر آیا۔"آپ یہاں کیسے؟"اُس نے چابی کو جیب میں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔یہ وہ پہلی بار تھی جب آئرہ نے اُس کی آواز سنی۔اور یہی آواز اُسے بھی ہوش میں لائی تھی۔آئرہ نے پہلے اُسے دیکھا پھر اُس کے جیب میں ڈالی گئی چابی کو اور آخر میں پاس کھڑی گاڑی کو۔کیا یہ بابا کے اُن مہمانوں میں سے تھا؟اُسے یقین نہ آیا لیکن اپنے تاثرات چھپا کر،وہ خود کو کمپوز کرتے ہوئے بولی۔

"یہ میرا گھر ہے۔"آئرہ نے آس پاس دیکھ کر کہااور پھر نظریں ارحم پہ جمادیں جو اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ نجانے کیوں پر اُس کے بات کرنے کے انداز پہ ارحم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

"مجھے نہیں پتہ تھااِس گھر میں بلیاں بھی رہتی ہیں۔"اُس نے ہمکلامی کی جس کی آواز آئرہ کے کانوں تک نہ پہنچی۔

"ایکسکیوزمی؟آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ یہاں کیوں کھڑا تھالیکن پھر بھی اپنی حیرت چھپانےاور تھوڑاسارعب ڈالنے کے لئے بول بیٹھی۔ اب کی بارارحم نےاپنی مسکراہٹ روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"چوری نہیں کر رہا تھا۔آپ بے فکر ہو جائیں۔"وہ اُسے پہچاننے سے انکار کر سکتی تھی تو ارحم کون سا کم تھا۔جواب دینا تو اُسے بھی خوب آتا تھا۔

"شکل سے تو چور ہی لگتے ہیں۔"آئرہ نے منہ ہی منہ میں کہتے ہوئے اندر جانے کے لئے قدم بڑھائے۔

"چور اتنے ہینڈسم نہیں ہوا کرتے مس۔" ارحم نے پیچھے سے بلند آواز میں کہا اور پھر آئرہ کے ایک طرف سے ہو کر اس سے آگے نکل گیا۔ یہ ان کی براہ راست پہلی ملاقات تھی اور ارحم کو یہ کافی دلچسپ لگی تھی۔ وہ چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ لئے جا رہا تھا۔ آئرہ نے اس کی پیٹھ کو گھورا۔ یہ بابا بھی پتہ نہیں کن لوگوں کو بلا لیتے ہیں۔ وہ منہ بنائے اس کے پیچھے چل دی۔

جب دن کا کھانا ختم ہوا تو وہ سب باہر لان میں کرسیاں لگا کر بیٹھ گئے۔ کافی دیر کی خوش گپیوں کے بعد سلیم ملک نے چائے کی فرمائش کی تو حلیمہ اور نصرت اندر چلی آئیں۔ ان کی دیکھا دیکھی آئرہ بھی اُن کے ہمراہ اندر آ گئی۔ دن کا سورج ڈھلنے کے قریب تھا اور آسمان پہ اپنے پیچھے سنہری اور گلابی رنگوں کا عکس چھوڑ کر جا رہا تھا۔ ہواؤں میں ایک تروتازہ کر دینے والی ٹھنڈک گھل گئی تھی۔ وہ سب کرسیوں کا ایک دائرہ سا بنا کر بیٹھے تھے جہاں ارحم اور حماد ساتھ ساتھ بیٹھے کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔

عین اُسی وقت گھر کا مین گیٹ عبور کرتا کوئی اندر آیا اور لان میں بیٹھے کچھ نئے چہروں کو دیکھ کر لمحے بھر کو تو ٹھٹک گیا۔ھادی عموماً اِس وقت باہر سے کھیل کر واپس آتا تھا لیکن آج اُس نے کم از کم کسی کی آمد کی توقع نہیں کی تھی۔پہلے تو اُس نے اپنی حالت دیکھ کر اندر جانا چاہا جو کھیلنے کے باعث کچھ خاص نہ تھی، پسینے سے تر اُس کا جسم، بکھرے بال، گلابی گال۔ لیکن پھر وہ کچھ جھجکتے ہوئے اُن لوگوں کی طرف آگیا۔

سب سے پہلے اُس پہ اسد مرزا کی نظر پڑی تھی جن کی کرسی کا رخ مین گیٹ کی طرف تھا۔اُن کے ساتھ سلیم ملک اور نوید ملک نے بھی ھادی کو آتا دیکھ لیا تھا جبکہ ارحم، حماد، اور حسام کی پشت ھادی کی طرف تھی۔ صالح جو باپ کے ساتھ ہی بیٹھا تھا موبائل پہ اِس قدر گم تھا کہ اُس نے اوپر دیکھنے کی زحمت ہی نہیں کی۔

"ارے ھادی بیٹا اِدھر آؤ، اپنے اسد انکل سے ملو۔" سلیم ملک نے اُسے پاس بلایا تو وہ کچھ شرماتا ہوا اور کچھ جھجھک کے چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسد مرزا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ اُسے اتنے ہی پیار سے ملے۔

"ماشاءاللہ، سلیم تمہارے دونوں بچے کافی بڑے ہو گئے ہیں۔ آئرہ بیٹی کو تو میں پہچان ہی نہ سکا اور یہ دیکھو ذرا ھادی بھی کیسا بڑا بڑا ہو گیا ہے۔" اسد مرزا نے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ کر مسکرایا۔

"یہ دیکھو بیٹا، یہ حماد ہے اسد انکل کا بیٹا اور یہ ارحم ہے اُن کا بھتیجا۔" سلیم نے ھادی کا رخ پھیر کر مختلف سمت کیا تو ھادی نے پہلے حماد کو دیکھا اور پھر ارحم کو۔ حماد سے تو وہ پہلی بار مل رہا تھا لیکن ارحم کو دیکھ کر اُس بچے کی آنکھوں میں شناسائی ابھری۔ دوسری طرف ارحم نے بھی جب اُسے دیکھا تو پہلے کچھ حیرت سے اور پھر دل سے مسکرا دیا۔

وہ اسے کیسے بھول سکتا تھا۔اُس دن ھادی کے ساتھ ہی تواُس نے آئرہ کو دیکھا تھا جب وہ شاہ میر کے ہمراہ اُس کے چھوٹے بھائی کو اسکول سے پک کرنے گیا تھا۔

"ارحم بھائی؟"ھادی فوراً اُس کی طرف بڑھا اور سلام کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ارحم نے خوشدلی سے اُس کا ہاتھ ملایا اور اُس کا حال احوال پوچھنے لگا۔ھادی نے جب اُس کے ساتھ بیٹھے حماد کو دیکھا تو اسے بھی سلام کر دیا۔

"تم ارحم کو جانتے ہو؟"اسد مرزا نے ھادی کا ارحم سے اتنی بے فکری سے ملتے دیکھا تو پوچھ بیٹھے۔

"جی چاچو، یہ سمیر کا دوست ہے۔میں اِس سے کچھ دنوں پہلے ہی اُس کے اسکول میں ملا تھا۔"ارحم نے انہیں بتایا تو وہاں بیٹھے تمام لوگوں نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

چائے آچکی تھی اور اب کی بار تمام خواتین بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"یار ویسے ارحم۔" حماد نے ارحم کے کانوں میں سرگوشی کی۔اُس کی نظریں حلیمہ کے ساتھ بیٹھی آئرہ پہ جمی تھیں جو مصعب کی کسی بات پہ اُسے گھور رہی تھی۔"یہ جو پنک ڈریس والی لڑکی ہے۔۔۔یہی سلیم انکل کی بیٹی اور ہماری ناہونے والی بھابھی ہے نہ؟" ارحم جو چائے کا گھونٹ بھر رہا تھا، یہ سنتے ہی اسے اچھو لگ گیا۔اسے کھانسی شروع ہو گئی۔اُس نے کھانستے ہوئے حماد کو کچھ حیرت سے دیکھا۔

"کیا ہو گیا ہے؟ تو ٹھیک تو ہے؟" حماد نے اُس کی پشت کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔ وہاں بیٹھے ایک دو لوگوں کی نظریں اُن پہ پڑیں جس کے جواب میں ارحم بمشکل مسکرایا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" ارحم نے چائے کا کپ واپس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔اُس کی نظر بے اختیار آئرہ کی طرف اٹھیں جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ان کی نظریں ملنے پہ آئرہ نے رخ پھیر لیا، پر ارحم نہیں پھیر سکا۔وہ کیسے بھول گیا کہ یہ وہی لڑکی تھی؟

کیااِسی وجہ سے یہ اُسے جانی پہچانی لگی تھی؟لیکن نہیں۔۔۔یہ چہرہ۔۔۔یہ اُسے کسی اور کی یاد دلاتا تھا۔

"میں جو پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب تو دے؟"حماد نے ایک بار پھر آہستہ سے اُسے مخاطب کیا۔ارحم نے بس دھیرے سے سر ہلا دیا۔حماد کی سیاہ آنکھیں چمک اٹھیں۔اوہو۔۔تو یہی ہے اُس کی ناہونے والی بھابھی۔اس کے دماغ میں اس وقت بہت سے شیطانی خیالوں نے جنم لیا تھا۔

وہاں بیٹھے ان لوگوں کو کافی دیر ہو گئی تھی۔سورج پوری طرح غروب ہو چکا تھا اور آسمان میں اندھیرا چھانے لگا تھا جب اسد مرزا بالآخر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اچھا جی،ہم چلتے ہیں۔ویسے بھی کافی دیر ہو گئی ہے۔"ان کو دیکھتے ہوئے باقی بھی تمام افراد اپنی اپنی نشست سے اٹھ گئے تھے۔سلیم ملک انہیں دروازے تک چھوڑنے آئے تھے۔

"اب تو ارحم یہیں پہ ہوتا ہے تو اسد تم بھی چکر لگاتے رہا کرو یار۔" سلیم ملک نے بہت بار کہے جانے والا فقرہ ایک بار پھر دوہرایا۔

"میں کوشش کروں گا۔" اسد ملک نے انہیں گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر اپنا خیال رکھنا۔ اور ارحم بیٹا یہ نہ صحیح پر تم حماد کے ساتھ آجایا کرو۔ مجھے تم لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی تھی۔" ارحم نے مسکرا کر سر کے ہلکے سے خم سے سلیم ملک کو یقین دلایا کہ وہ ضرور چکر لگائے گا۔ پھر وہ تینوں افراد گاڑی میں بیٹھ کر گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔

ان کے جاتے ہی آئرہ اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ اس نے اب ملیشا کو آج کی ساری روداد سنانی تھی اور ایک مخصوص چور کا بھی ذکر کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆

سمندر کی بے چین لہریں پتھر کے کناروں سے پے در پے ٹکرا رہی تھیں۔ تیز ہوائیں بھی اس بات کو یقینی بنانے کی بھرپور کوششوں میں جت چکی تھیں۔ دور سورج چلتے بادلوں کے پیچھے کبھی چھپ کر تو کبھی ظاہر ہو کر ایک بے معنی سا کھیل کھیل رہا تھا۔

ایسے میں سمندر کے کنارے پہ وہ کھڑی تھی۔ بالکل خاموش، ساکت، جیسے پتھر کا کوئی مجسمہ ہو۔ آج بھی ہمیشہ کی طرح ہلکے رنگ کے حجاب اور ٹراوزر شرٹ میں ملبوس اُس کی وہ گہری نیلی آنکھیں دور تک پھیلے سمندر کا تعاقب کر رہی تھیں۔ آس پاس صرف اُن پتھروں سے ٹکراتے پانی کا مدھم سا شور تھا۔ اُسے یہاں کھڑے تقریباً کوئی بیس منٹ گزرے تھے جب اُسے اپنے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

www.novelsclubb.com

"میں کبھی بھی تمہاری اِس جگہ سے آبسیشن کی وجہ نہیں سمجھ سکوں گا۔" امل کے دائیں طرف، بالکل پیچھے سے وہ بولا۔ اس نے سکار کو آتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ وہ بنا چاپ کہ چلتا تھا لیکن پھر بھی امل کو اُس کی موجودگی کا احساس ہو جایا کرتا تھا۔

"جس جگہ سے آپ کی بُری یادیں جڑی ہوں، وہ جگہ پتہ نہیں کیسے اور کب، لیکن آپ کے دل و دماغ پہ اس قدر حاوی ہو جاتی ہیں کہ اُس سے ایک عجیب سا آبسیشن ہو جاتا ہے۔" وہی پر سوز لہجہ۔ سکار نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔ امل نے بھی عین اُس وقت گردن موڑی تو دونوں کی نظریں ملی۔ سکار کی سیاہ ہڈی آج سر پہ نہیں تھی جس وجہ سے وہ اس کے سنہرے بال دیکھ سکتی تھی۔

www.novelsclubb.com

"میرے کام کا کیا بنا؟" امل نے اُس کا سر سے پیر تک ایک ہی نظر میں جائزہ لیا۔ سیاہ رنگ کے مفلر میں چھپا اُس کا چہرہ جہاں صرف اُس کی ہلکی بھوری آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

"مجھے کچھ ایسا ملا ہے کریسٹل جس نے میرا تم میں انٹریسٹ کافی حد تک بڑھا دیا ہے۔"اُس نے امل کے تاثرات بظاہر جانچے لیکن وہاں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"تم مجھ میں انٹریسٹ لینے کے بجائے کام پہ فوکس کیا کرو سکار۔کیونکہ تمہارا یہ انٹرسٹ ہمارے اِس تعلق کو متاثر کر سکتا ہے۔"

"ہمارے اِس تعلق کا کوئی سر پیر ہی کہاں ہے جو یہ متاثر ہو؟"سکار کی بات پہ امل نے جیسے ان کے اس بے نام تعلق کی ابتدا کو یاد کرنا چاہا ہو۔نیلی آنکھیں پانی کی سطح پہ جم گئیں۔سمندر نے ایک پرانی داستان سنانے کے لئے اپنا رنگ بدلنا شروع کر دیا۔دھیرے دھیرے وہ وقت میں پیچھے کو جانے لگی۔

یہ لندن کی ایک عام سی صبح تھی۔سمندر کے پاس بنے ریزوٹ پہ اُس وقت بہت کم لوگ موجود تھے۔ورکنگ ڈیز کے دوران اکثر ہی یہاں لوگوں کا ہجوم نہ ہونے کے برابر ہوا کرتا تھا۔ایسے میں وہ وہیں اپنی جگہ پہ کھڑی تھی۔سمندر کے

کنارے۔اُسے یہاں روزانہ آتے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔یہ جگہ جیسے اُسے اپنی طرف کھینچتی تھی اور وہ چپ چاپ کھنچی چلی جاتی۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی اُسے وہاں آئے ہوئے جب کوئی بہت زور سے اُس سے ٹکرایا۔جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور دھڑم کی آواز سے نیچے جا گری۔ گرنے پہ بے اختیار اُس کے منہ سے کراہ نکلی۔چہرہ اٹھا کر اُس نے اپنے سامنے موجود اس شخص کو دیکھنا چاہا جو اُس سے بجلی کی سی رفتار سے ٹکرایا تھا۔بلیک جینز اور بلیک ہڈ میں ملبوس وہ لڑکا گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا۔امل نے صرف اُس کی سائڈ پروفائل دیکھی تھی جہاں سے اُس کا سیاہ مفلر تھوڑا سا نیچے سرک گیا تھا۔امل کی نگاہ اُس کے چہرے پہ موجود اُس بڑے سے زخم پہ پڑی جو اُس کے تھوڑی سے لے کر دائیں کان کی لو تک جاتا تھا۔دیکھنے میں وہ کسی نوکیلی چیز کا زخم لگتا تھا۔

www.novelsclubb.com

"مجھے معاف کر دیں۔"اجلت سے کہتے ہوئے وہ لڑکا اٹھ کھڑا ہوا۔امل بھی ساتھ ہی اٹھی تھی۔اُس نے اُس لڑکے کے چہرے پہ عجیب سا اضطراب دیکھا تھا۔

"آپ۔۔۔"وہ ابھی اُسے کچھ بولنے ہی والی تھی کہ اُس نے امل کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے کر بھاگنا شروع کر دیا۔امل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔وہ اُسے کھینچتا ہوا پاس موجود ایک تنگ سی گلی میں لے آیا اور آتے ساتھ اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔وہ ویسی ہی ششدر سی کھڑی اُسے دیکھے گئی اور پھر جب ہوش میں آئی تو اُس کی گہری نیلی آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟"وہ آپ سے فوراً تم پہ آ پہنچی تھی۔"یہ کیا حرکت تھی؟"اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اُس لڑکے کو کھینچ کر ایک تھپڑ دے مارے۔ہمت کیسے ہوئی اُس کی کہ وہ اُسے ایسے کھینچ کر یہاں لائے؟

"اگر میں تمہیں وہاں چھوڑ دیتا تو تم مجھے مروا دیتی۔" وہ لڑکا اُسے ایک نظر بھی دیکھے بغیر سائیڈ سے گزر گیا اور خود گلی کے نکڑ سے سر نکال کر باہر دیکھنے لگا۔امل نے غصے سے اسے گھورا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ ہو کون تم؟" وہ اس کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔

لڑکے نے ناگواری سے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر دور کہیں اشارہ کیا۔امل نے اس کی انگلی کی سمت دیکھا جو سمندر کی طرف تھی۔ سمندر کے پاس جہاں پہلے وہ دونوں تھے اب کچھ لوگ جیسے کسی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ پہلی نظر میں ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ ماجرہ کیا ہے۔ایک لمبی سانس اندر کھینچ کر وہ پیچھے ہو گئی۔

www.novelsclubb.com

"تم ان سے بھاگ رہے ہو؟" اب کی بار آواز میں پہلے والا غصہ نہیں تھا۔ لڑکے نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔اور پھر وہاں دیکھنے لگا۔ شائد وہ ان کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"وہ لوگ ایسے نہیں جائیں گے۔" بہت سکون سے امل نے اُسے آگاہ کیا۔

"نہیں وہ چلے جائیں گے۔"

"میں کہہ رہی ہوں کہ وہ نہیں جائیں جب تک وہ تمہیں ڈھونڈ نہ لیں۔" وہ اُسی ٹھنڈے لہجے میں بات کر رہی تھی۔ لڑکے نے کچھ بے چینی سے اُسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا امل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہ لوگ اُسے پکڑے بنا نہیں جائیں گے۔

"مجھے وہاں جانے دو۔ میں انہیں کہیں اور بھیج دوں گی۔ وہ لوگ یہاں نہیں آئیں گے۔" امل اتنی بے خوفی سے بات کر رہی تھی کہ وہ لڑکا اُسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اور تم میری مدد کیوں کرو گی؟" اور اِس سوال کا جواب تو اُس کے پاس بھی نہیں تھا۔ وہ بھلا ایسے کسی انجان لڑکی کی مدد کیوں کرے گی۔ خاص کر کے اُس کی جس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر ایک انجان گلی میں لا کھڑا کیا تھا۔

"یہ بتانا میں ضروری نہیں سمجھتی۔ بتاؤ کیا تم مجھے خاموشی سے جانے دو گے یا میں چیخ چیخ کر انہیں یہاں بلا لوں؟"

"میں تم پہ کیسے بھروسہ کرلوں کہ تم وہاں جاکر انہیں میرے بارے میں نہیں بتاؤ گی؟"

"کیا تمہارے پاس کوئی اور راستہ ہے؟" امل نے سینے پہ ہاتھ باندھتے ہوئے سوال کیا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔اُس کے پاس صرف دو راستے تھے، یا تو وہ یہاں رک کر انتظار کرے جو یقیناً یہ لڑکی اُسے نہیں کرنے دے گی، یا وہ اِس انجان لڑکی پہ بھروسا کر کے اپنی جان خطرے میں ڈال دے۔

چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی سے سرک گئے اور پھر وہ لڑکا سامنے سے ہٹ گیا جیسے اُسے جانے کی اجازت دی ہو۔امل دھیرے سے مسکرائی اور پھر وہاں سے نکل گئی۔وہ لڑکا اُسے جاتا دیکھتا رہا۔اس کی دھڑکنیں نہ چاہتے ہوئے بھی بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

اُس نے امل کو اُن لوگوں کے پاس پہنچتے دیکھا۔وہ اُن سے کوئی بات کر رہی تھی ساتھ ہی روڈ کی دوسری طرف انگلی سے کوئی اشارہ کیا۔وہ لوگ اُس کی بات سنتے ہوئے ساتھ ساتھ سر ہلا رہے تھے اور پھر وہاں سے خاموشی سے چلے گئے۔

امل ان لوگوں کو بھیج کر اپنی جگہ دوبارہ آ کھڑی ہوئی جہاں وہ پہلے کھڑی تھی ،سمندر کے کنارے پہ۔

"تھینک یو۔" وہ لڑکا ایک بار پھر بہت خاموشی سے اُس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔یقیناً اُس نے اُن لوگوں کو جاتا دیکھ لیا ہو گا۔

"میں احسان کا بدلا احسان سے لیتی ہو، تھینک یو سے نہیں۔"امل نے بنا کسی تاثر کے کہا۔

"کیسا احسان چاہیے تمہیں؟"

"ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔اور میں وقت سے پہلے کچھ نہیں بتایا کرتی۔"

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔مجھے انتظار رہے گا تمہارے اِس احسان کا بدلا چکانے کا۔۔۔ کریسٹل۔"اُس نے سیدھا امل کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا۔

"انتظار مبارک۔۔۔سکار۔"امل کی نظریں اُس کے زخم والے حصے پہ ٹھہر گئی تھیں جسے سکار کب کا اپنے مفلر سے چھپا چکا تھا۔اُس کی بات پہ سکار مسکرایا۔وہ اسے بہت الگ لگی تھی۔بے خوف سی۔

اوپر دن کا سورج ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور سمندر کے ساحل پہ ہوائیں تیز ہونا شروع ہو گئی تھیں۔وہ دونوں ایک سال بعد بھی وہیں کھڑے تھے،اسی جگہ پر۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو سکار،ہمارا یہ تعلق ایک احسان سے شروع ہوا تھا اور یہ جلد ختم ہو جائے گا،تم بھی خوش ہو جاؤ۔"امل نے اُسے دیکھ کر کہا۔وہ آج سے ایک سال پہلے والے سکار سے بہت مختلف تھا۔

"خوش ہی ہوں۔"سکار نے بظاہر مسکرا کر کہا لیکن اُس کی آواز میں وہ خوشی نہیں تھی۔وہ خوش کیوں نہیں تھا؟

"ویسے تمہیں میرے بارے میں ایسا کیا ملا ہے سکار؟"امل کو اچانک ہی اُس کی بات یاد آئی جو اُس نے آتے ساتھ کہی تھی۔

"تم وہ نہیں ہو جو تم نظر آتی ہو۔۔۔امل شائز۔"سکار نے پہلی بار اُسے اُس کے پورے نام سے پکارا تھا۔

"تمہارے اِس نام کے پیچھے چھپی لڑکی کی اصلیت میں جان چکا ہوں کریسٹل۔۔۔تو بتاؤ مجھے۔۔۔کون ہو تم؟"وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر ایک ایک لفظ کہہ رہا تھا۔ امل اُس کے سوال پہ اُس کی توقع کے برعکس، مسکرائی تھی۔اور یہ مسکراہٹ،اب تک کی اُس کی تمام مسکراہٹوں سے مختلف تھی جو وہ دیکھ چکا تھا۔کیونکہ کریسٹل پہلی بار اُس کے سامنے دل سے مسکرائی تھی۔

"میں موت اور زندگی کے بیچ کی وہ حقیقت ہوں جو بہت سے لوگوں کو جیتے جی مار سکتی ہے اور بہت سوں کو نئی زندگی دے سکتی ہے۔"

☆☆☆

حماد نے آج شام اسد مرزا کے ساتھ واپس جانا تھا اسی لئے وہ اور ارحم صبح سے اس کے اپارٹمنٹ میں تھے۔ان کا آج کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا۔شاہ میر بھی ان کے پاس سے کچھ دیر پہلے ہی ہو کر گیا تھا۔وہ دونوں فی الحال اوپن کچن کے سامنے بیٹھے جوس کا گلاس ہاتھوں میں لئے ایک دوسروں سے گفتگو میں مصروف تھے۔

"تو لاہور نہیں آئے گا کیا؟"حماد آج بھی ہمیشہ کی طرح سیاہ رنگ کے کپڑوں میں مقید تھا۔

"سیمسٹر بریک میں ہی چکر لگا سکتا ہوں،اس کے علاوہ تو مشکل ہی ہے۔"ارحم اس کے برعکس سفید رنگ کے ٹراوزر شرٹ میں تھا۔دونوں کا ہلیہ ایسا تھا جیسے ابھی سو کر اٹھے ہوں۔

"پھر تو ابھی بہت وقت ہے یار۔میں اتنا بور ہوتا ہوں تیرے بغیر۔"حماد کو اپنے بھائی کے بغیر واپس جانے کا سوچ کر ہی کچھ ہو رہا تھا۔کاش اس کے بابا اس کی بات مان لیتے تو اسے ایک بار پھر ارحم کو ایسے چھوڑ کر نہ جانا پڑتا۔

"اکیلا تو میں بھی بہت ہوں تیرے بغیر۔" ارحم نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ حماد کے جانے کا سوچ کر اس کا دل بھی آج کافی اداس تھا۔ پہلی بار یہاں آنے سے بھی زیادہ۔ اور یہ اداسی حماد نے پلک جھپکتے ہی پکڑ لی تھی۔ اور شاید وہ اس کی وجہ سے بھی واقف تھا۔

"ارحم؟ تجھ سے ایک بات پوچھوں؟" حماد نے اپنے خالی گلاس کو کچن کاؤنٹر پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"بول۔" وہ اپنے جوس کا آخری گھونٹ بھر رہا تھا جب حماد کی بات سے وہ آخری گھونٹ اس کا حلق تک کڑوا کر گیا۔

"شاہ میر نے مجھے جو بتایا ہے کیا وہ سچ ہے؟ کیا تو ہشام انکل سے ملا تھا؟" حماد نے اسے بغور دیکھ کر کہا ساتھ ہی کسی رد عمل کی توقع بھی کی لیکن ارحم نے اس کے برعکس بہت آرام سے گلاس نیچے رکھا۔ پھر اپنے ساتھ حماد کا بھی خالی گلاس اٹھا کر

www.novelsclubb.com

سنک کی طرف بڑھااور انہیں دھونے لگا۔بنا کوئی بات کئے۔ارحم کی خاموشی اسے کچھ خاص اچھی نہیں لگی تھی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے ارحم۔"حماد اٹھ کر اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

"کچھ تو بولو۔"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا حماد۔"اس نے گلاس دھو کر سائیڈ پہ رکھے اور پاس رکھے ٹاول سے اپنے ہاتھ پونچھنے لگا۔

"لیکن تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایسا کچھ بھی ہوا تو ارحم تو مجھے خود بتائے گا۔ مجھے صاف دکھ رہا کہ تو کتنا ڈسٹرب ہے پر تو ہے کہ کسی کی سنتا ہی نہیں۔تجھے تو ٹھیک سے وعدہ رکھنا بھی نہیں آتا۔"حماد نہ چاہتے ہوئے بھی چڑھ گیا۔ارحم نے ذرا کی ذرا نگاہ اس پہ ڈالی اور کمرے کی طرف چل دیا۔حماد بھی اس کے پیچھے آیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے ارحم؟ایسا بھی کیا ہوا ہے جو تو مجھے نہیں بتا سکتا؟"

"تو میرے منہ سے کیا سننا چاہتا ہے؟" ارحم کا لہجہ یکدم بہت اجنبی سا ہو گیا تھا۔

"تیرے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟ مجھے بتا۔" ارحم اپنے کمرے میں موجود کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا تھا اور حماد اس کے بالکل پیچھے تھا۔

"جانتے ہو اس وقت میرے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟"

"کیا؟"

"یہ کہ میں ایسا کیا کروں جو مجھے جینا ایک سزا نہ لگے؟" اس کی نظریں اوپر آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔ "میں ایسا کیا کروں جو یہ زندگی مجھے بوجھ نہ لگے۔" اس کی آواز دھیمی ہوتی گئی۔ اس نے گھوم کر حماد کو دیکھا جو دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "مجھے بتاؤ نہ حماد میں ایسا کیا کروں؟" وہ ایک بار پھر جیسے سب سے تھک گیا تھا۔ حماد نے پیار سے اس کا کندھا تھاما اور اسے بستر پہ بٹھایا۔

"تو ہر بار خود کو ایسے تکلیف کیوں دیتا ہے؟ جب تو جانتا کہ وہ سب۔۔۔"

"وہ سب میرا ہی قصور تھا حماد اور یہ بات میرے باپ سے ہوئی آخری ملاقات نے مجھ پہ عیاں کر دی ہے۔" ارحم نے اس کی بات پوری نہیں ہونے دی۔

"تم کب تک خود کو ایسے کوستے رہو گے؟"

"جب تک میرے دل سے یہ بوجھ نہیں ہٹ جاتا۔" وہ بضد تھا۔ ایک ایسی ضد جو اسے دھیرے دھیرے اندر سے ختم کر رہی تھی۔ اور حماد اسے ایسے ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"تم جانتے ہو حماد، میں ہر رات سوچتا ہوں کیا ہوتا جو میں اس رات وہاں نہ جاتا۔ کیا ہوتا جو۔۔۔"

www.novelsclubb.com

"ارحم وہ تمہارے ہاتھ میں نہیں تھا!" حماد کو اب غصہ آنے لگا تھا لیکن ارحم تو اس کی سن ہی نہیں رہا تھا۔

"میرے ہاتھ میں ہی تو سب تھا حماد!" وہ بولا تو آواز اونچی تھی۔ "میں بہت برا ہوں۔ بہت برا۔" وہ سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے تھے۔ اس کا گلہ جیسے کوئی دبا رہا ہو۔ سانس رک رک کر آ رہا تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" اس نے سر ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ آنکھوں کے سامنے اب اندھیرا چھانے لگا تھا۔

"چلے جاؤ تم یہاں سے۔" اس کے کانوں میں ایک بار پھر وہ آوازیں گونجنے لگیں۔ ارحم کو پینک اٹیک ہو رہا تھا۔ وہ بار بار لمبی لمبی سانسیں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ حماد اس کی بگڑتی حالت دیکھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارحم؟" اس نے ارحم کو پکارا پر وہ کہاں سن رہا تھا۔ اسے سوائے ان آوازوں کے کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

"تم نے مجھے توڑ دیا آج۔" ارحم نے آنکھیں بند کر لیں۔

"مار دیا تم نے اسے۔" وہ وہیں فرش پہ گر سا گیا۔ سر ابھی بھی ہاتھوں کے بیچ دیا ہوا تھا۔ وہ چیخنا چاہتا تھا لیکن آواز اس کے حلق سے نہیں نکل رہی تھی۔

"ارحم!" حماد بھی اس کے ساتھ نیچے بیٹھ گیا۔ اس کو خود سے لگائے وہ مسلسل اس کا نام لے رہا تھا۔

"قاتل ہو تم! مار دیا تم نے اسے۔" تمام آوازیں جیسے بند ہو گئیں ہو۔ ارحم کے ہاتھ اس کے پہلو میں گر گئے۔ اس میں مزید حرکت کرنے کی ہمت جیسے ختم ہو گئی۔

"ارحم۔" اسے حماد کی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ ارحم نے آہستہ سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"میں۔۔۔ میں ایک۔۔۔" ارحم ٹوٹے ہوئے لفظوں کے بیچ بول رہا تھا۔ "میں ایک۔۔۔ قاتل ہوں حماد۔"

"شش۔۔۔"حماد نے اسے چپ کروانا چاہا پر وہ بول رہا تھا۔

"۔۔میں۔۔میں نے مار دیا۔۔۔میں نے اپنی ماں کو مار دیا۔۔۔"وہ بول کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔اس کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج اٹھی تھیں۔حماد نے اسے آج دوسری بار اسے روتے دیکھا تھا۔اسے دیکھ حماد کا چہرہ بھی بھیگ گیا۔ان سسکیوں میں کتنے زمانوں کی تکلیف تھی۔شاید ہی کوئی بتا سکے۔

☆☆☆

www.novelsclubb.com